نونہال ادب ۔ علم و ادب کے میدان میں ہمدرد کی نہایت پُرخلوص خدمت

حکیم عبدالحمید

نونہالانِ وطن کے لیے ایک عظیم انسان کی کہانی

حکیم محمد سعید

نونہال ادب

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی

دو بھائی

0168 wN06
N5



حمید کی شفقت اور سعید کی محبت کی

ایک یادگار تصویر

۱۹۵۸

پہلی بات

بسم اللہ الرحمان الرحیم

تاریخِ عالم میں بھائیوں کی داستانیں بہت سی ہیں۔ بھائیوں کی باہم محبت کے قصے کہانیاں کتابوں میں موجود ہیں۔ ہمارے آج کے دور میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی دو عظیم بھائی جنھوں نے انگریز کے خلاف جنگ کر کے ہندستان کو آزاد کرانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اردن کے شاہ حسین اور شہزادہ حسن دو بھائی ہیں جنھوں نے باہم محبت سے ایک غریب ملک کو عظیم ملک بنادیا اور عرب سیاست کو صحیح رخ دینے کی جدوجہد کی۔ حکیم عبدالحمید اور حکیم محمد سعید دو بھائی ہیں جن کی باہم رفاقت اور جن کی باہم محبت نے علم و حکمت کے چراغ جلائے ہیں۔ ایک روشن چراغ دہلی میں ہے اور ایک روشن چراغ کراچی سے باہر سندھ اور بلوچستان کی سرحدوں پر ہے۔

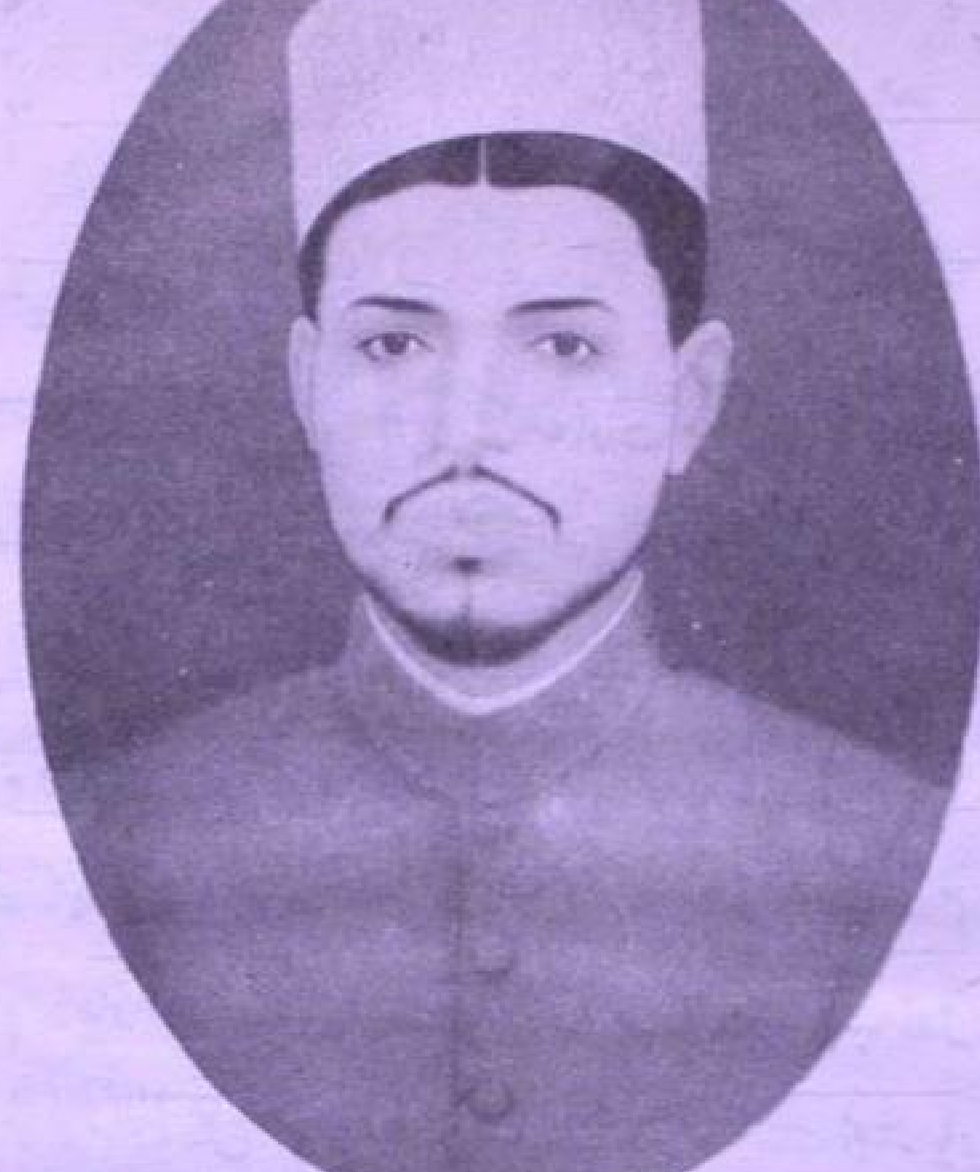
مثالی بھائیوں کی داستانیں بڑی لذیز ہوتی ہیں۔ اس کتاب میں دو بھائیوں کی محبت اور رفاقت کی داستان ایک بھائی حکیم محمد سعید نے لکھی ہے۔ میرے عظیم نونہالو! اس داستان کو تم خوب دل لگا کر پڑھنا اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنا، مگر فقط یہ کافی نہیں ہے۔ اگر تم دو بھائی ہو تو پھر تم ان

جیسے دو بھائی بننے کی کوشش کرنا۔

انسان اگر کوشش کرے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو توانائیوں سے نوازا ہے۔ فکر کے لیے عقل دی ہے۔ عمل کرنے کا جذبہ عطا فرمایا ہے اور محبت کرنے کے لیے دل اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے۔

جناب حکیم محمد سعید صاحب نے یہ داستان اپنے تازہ سفرِ دہلی کے دوران لکھی ہے۔ وہ ۲۴ ر جولائی سے ۲۸ ر جولائی ۱۹۹۵ء تک چار دن دہلی میں رہے۔ انھوں نے یہ دو بھائیوں کی سرگزشت نونہال بھائیوں کے لیے لکھی ہے۔

رفیع الزماں زبیری



جناب محترم حافظ حکیم عبد المجید
ہمارے والد محترم

پہلا باب

میرے سعید نونہالو!

سعید کے معنی ہیں : سعادت، مبارک، بابرکت، نیک خوبیوں والا، خیروعافیت چاہنے والا۔ تم میرے سعید نونہال ہو۔ میں تم کو عظیم لکھتا رہا ہوں، اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علم و حکمت کے میدانوں میں دل جمعی کے ساتھ، محنت کے ساتھ، محبت کے ساتھ، ذوق و شوق کے ساتھ آگے قدم بڑھاؤ تا کہ تم کل عظیم ہو جاؤ اور اپنے پیارے پاکستان کو بڑا بناؤ۔ اب ذوق و شوق کی بات آئی ہے تو نونہالو! میں تم کو ایک نکتہ بتاتا ہوں۔ اسے ہمیشہ یاد رکھنا: دنیا کی ہر قوم تعلیم ذوق و شوق سے حاصل کرتی ہے۔ تمام مذہبوں میں، تمام تہذیبوں میں، تمام معاشروں میں اور تمام قوموں میں تعلیم ذوق و شوق کا نام ہے، مگر اسلام میں تعلیم فقط ذوق و شوق نہیں ہے بلکہ تعلیم فرض ہے۔ ہر مسلمان نونہال پر، ہر مسلم نوجوان پر اور ہر مسلمان عورت مرد پر تعلیم فرض ہے۔ اسلام اور دوسرے تمام مذہبوں میں یہ فرق ہے۔ اس لیے اسلام دنیا کا سب سے بڑا دین ہے۔ تعلیم کو فرض قرار دیتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ایک

آیت کریمہ یہ ہے:

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ○

سورۂ ھود۔ (۱۰۵)

اس کے معنی اور مطلب ہیں: اللہ تعالٰی نے انسان کو پیدا کیا۔ ان انسانوں میں بعض اپنے اعمال سے خراب (شقی) ہوجاتے ہیں اور بعض اپنے اخلاق و کردار سے اچھے (سعید) ہوتے ہیں۔ سعید انسان وہ ہیں جو اللہ تعالٰی سے ڈریں۔ اس کی عبادت کریں۔ خدمت خلق کریں۔ انسان سے محبت کریں، انسان کا احترام کریں۔

پورے قرآنِ حکیم میں سعید ایک ہی بار آیا ہے اور تم نے دیکھا کہ نہایت اچھے معنیٰ میں آیا ہے۔

قرآنِ حکیم کی تعلیم

میرے نہایت پیارے نونہالو! اس دنیا میں بہت سی قومیں آباد ہیں۔ ہر قوم کے طور طریق اپنے ہوتے ہیں۔ یہ ان کی پہچان ہوتے ہیں۔ میں ایک مثال دیتا ہوں۔ یہودی جو مدینہ منورہ میں تھے وہ داڑھی صاف کرتے تھے، مگر مونچھیں بڑی بڑی رکھتے تھے۔ یہ ان کی پہچان تھی۔ ہمارے پیارے نبیؐ نے مشورہ دیا کہ مسلمان داڑھی رکھا کریں اور اپنی مونچھیں ہلکی کردیں۔ یہ ان کی پہچان ہوئی۔ عیسائیوں کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ ٹائی باندھتے ہیں۔ ٹائی کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تھی۔ حضرت امام خمینی نے ایران میں ٹائی باندھنے کو منع کردیا۔ مسلمانوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ اٹھالیے گئے ہیں اور آسمانوں میں ہیں۔

عیسائی اور مسلمان میں ایک فرق یہ ہوگیا۔

مسلمان کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا ہے مسلمان اس پر عمل کرتا ہے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کو ایک سمجھتا ہے (وحدت) اور حضرت محمدؐ کو رسول اللہ سمجھتا ہے۔ (رسالت) اور مسلمان یہ یقین کرتا ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے (آخرت)۔

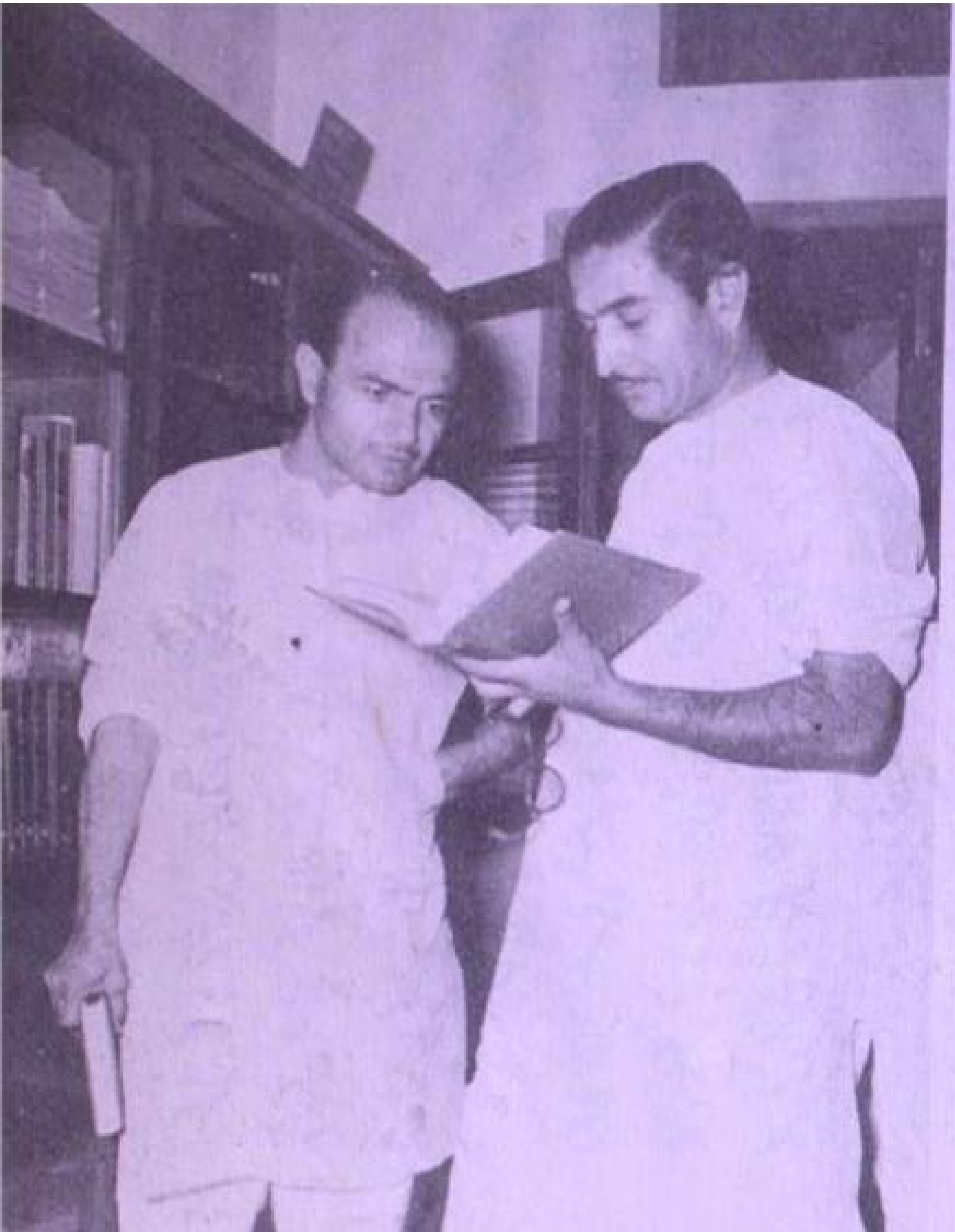
نونہالو! مسلمان کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے۔ بس قرآن اس کا طریقِ زندگی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان نونہال کی تعلیم کی شروعات قرآنِ حکیم کی تعلیم سے ہونی چاہیے۔ قرآن کے ساتھ اور قرآن کی تعلیم کے بعد دوسرے علوم کو حاصل کرنا چاہیے۔

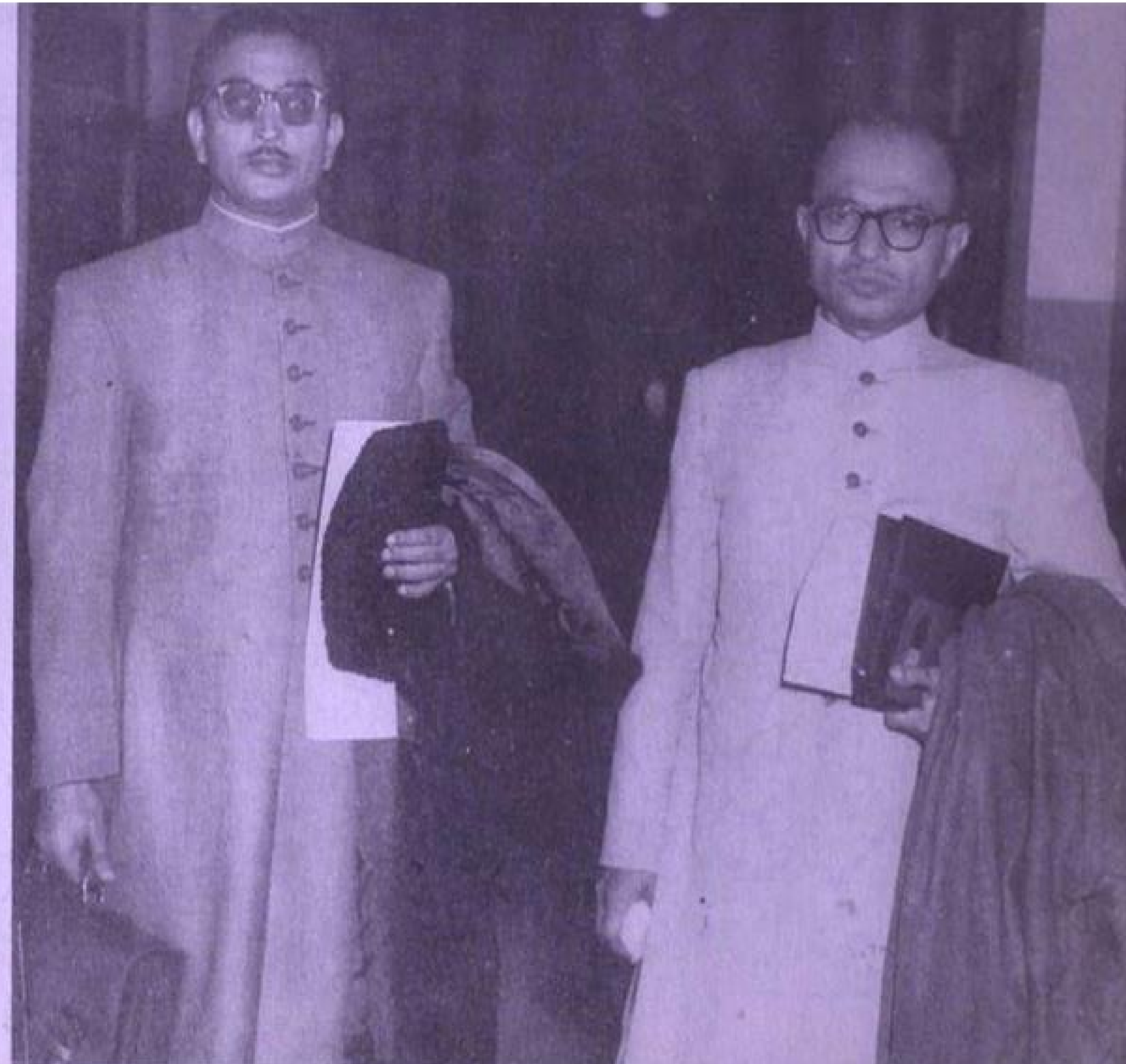
سورۃ رحمٰن

نونہالو! قرآنِ حکیم میں ایک سورۃ الرحمان ہے۔ نہایت اچھی سورۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں انسان کے لیے کم از کم ۲۷ نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور پھر بار بار انسان سے اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ تو پھر تم اللہ تعالیٰ کی کن کن نعمتوں سے آنکھیں پھیروگے؟

سورۃ رحمان میں اللہ تعالیٰ نے جن ۲۷ نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے وہ سب پاکستان میں ہیں۔ میں نونہالوں سے سوال کرتا ہوں کہ تم پاکستان میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کن کن نعمتوں سے انکار کروگے؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ پاکستان میں ہم کو ہر ہر نعمت میسّر ہے۔

ہمدرد پبلک اسکول میں سورۃ رحمان کا حفظ کرنا لازمی ہے۔ ہمدرد





دو علم دوست بھائی — محترم حکیم عبدالحمید ، حکیم محمد سعید

اسکول کا ہر نونہال سورۃ رحمان کا حافظ ہے۔ نونہالو! تم بھی توجہ کرو اور سورۃ رحمان حفظ کر ڈالو۔ میں نے تمہارے لیے نہایت خوب صورت سورۃ الرحمان چھاپ دی ہے۔

نونہالو! تم کو تو یہ معلوم ہے کہ میں، تمہارا دوست، قرآن حکیم کا حافظ ہوں۔ میری تعلیم کا آغاز قرآن کی تعلیم سے ہوا۔ پہلے پانچ سال کی عمر میں ناظرہ پڑھ لیا۔ بڑی زوردار آمین ہوئی۔ مجھے تو وہ منظر آج تک یاد ہے۔ پھر میں ابھی نو سال کا ہوا بھی نہیں تھا کہ میں نے قرآنِ حکیم حفظ کرلیا۔

نونہالو! میرا ذہن تو واقعی بہت تیز ہوگیا۔ قرآنِ حکیم حفظ کرنے والے ہر نونہال کا حافظہ بہت تیز ہوجاتا ہے، اس لیے کہ نونہال اپنے دماغ کو زیادہ استعمال کرتا ہے!

ایک معجزہ ہے!

نونہالو! دنیا کی کوئی کتاب حفظ نہیں کی جاسکتی ہے۔ عیسائیوں کی بائبل ہے، مگر کوئی عیسائی بائبل کا حافظ نہیں ہوا ہے۔ یہودیوں کی کتاب توریت ہے، مگر کوئی توریت کا حافظ نہیں ہوا ہے۔ وغیرہ۔ بس قرآنِ حکیم واحد اور تنہا ایک کتاب ہے جسے مسلمان نونہال حفظ کرلیتے ہیں۔ قرآن حکیم کا یہ ایک معجزہ ہے۔ پھر جو لوگ قرآنِ حکیم کے کہنے پر عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہر نعمت سے نوازتا ہے۔

مسلمان کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ حکیم کو مانتا ہے اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالتا ہے۔ اگر مسلمان اپنی اس پہچان کو چھوڑ دیں گے تو پھر ان کی دنیا میں کیا پہچان ہوگی؟

انسان کا دماغ

نونہالو! اللہ تعالیٰ نے انسان کا دماغ نہایت ہی بے مثال بنایا ہے۔ یہ کہنا چاہیے کہ سب سے بڑا کمپیوٹر ہے۔ آج کے زمانے کا ہر کمپیوٹر دماغ کی ایک نقل ہے۔ مگر دماغ انسان کا اب بھی بڑا ہے۔ اور بڑا ہی رہے گا۔ اس دماغ میں اربوں کھربوں ذرات ہیں جن سے دماغ بنا ہے۔ ایک ذرہ (ڈی۔این۔اے) برقی خرد بین سے ہی دکھائی دیتا ہے۔ بہت باریک ہوتا ہے۔ اس ایک باریک ذرّے میں دس صفحوں کی میموری (یاد داشت) ہوتی ہے۔ اللہ اکبر!

مگر صورتِ حال یہ ہے میرے نونہالو! انسان نے اب تک اپنے دماغ کو دس فی صد سے زیادہ استعمال نہیں کیا ہے۔ بس وہ نونہال جو قرآنِ حکیم حفظ کرلیتے ہیں وہ شاید دس فی صد سے زیادہ اپنے دماغ کو استعمال کرلیتے ہیں۔ ہر نونہال اور ہر نوجوان کو کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے دماغ کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرے!

میں ان دنوں دہلی میں ہوں!

نونہالو! میں آج دہلی میں ہوں۔ بس میں سیر کو نکل گیا۔ پہلے نہایت خاموشی کے ساتھ کوچۂ کاشغری گیا جہاں ایک گھر میں پیدا ہوا تھا اور یہاں سے میں حوض قاضی رضیہ بیگم کی حویلی آتا تھا۔ میں اس محلّے میں آیا۔ یہاں اب وہ مکان نہیں ہے جہاں میں نے محترمہ جگت چچی جان سے ناظرہ قرآن

حکیم پڑھا تھا۔ پھر میں اونچی مسجد آیا۔ یہاں جناب حافظ سیّد عمر دراز علی صاحب. نے مجھے قرآنِ حکیم حفظ کرایا تھا۔ اس سیر میں بس مزہ آگیا۔ پرانی باتیں یاد آگئیں۔ آخر میں میں مسجد غفاری میں آیا۔ یہاں میں نے تراویح میں قرآنِ حکیم سنایا تھا۔ وہ تقریب مجھے یاد آئی۔ اس میں تانبے کی طشتریوں میں بالوشاہی تقسیم ہوئے تھے۔ ہزار نونہال اور نوجوان اس ختم قرآن حکیم میں تھے۔ میری والدہ محترمہ کی زندگی کا یہ سب سے بڑا دن تھا کہ ان کے بیٹے حافظ محمد سعید نے تراویح میں ۲۷ دن میں قرآنِ حکیم سنایا تھا۔ ۲۷ رمضان المبارک کو ختم ہوا تھا۔

پرانی یادیں

نونہالو! ہزارہا پرانی یادوں میں ایک یاد اپنے بڑے بھائی جان محترم کی محبت بھی ہے۔ نام ان کا ہے حکیم حاجی عبدالحمید۔ آج میں جب زندگی کے میدانوں میں اپنی سرگرمیوں کو دیکھتا ہوں تو میں ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہیں کرسکتا کہ میرے بھائی جان محترم نے میری پرورش کی ہے۔ انھوں نے مجھے اپنے فکر و عمل سے دین و دنیا کی تعلیم و تربیت دی کہ جس نے آج مجھے حکیم محمدؐ سعید بنادیا ہے۔ ایک نہایت خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے ایک بار بھی تو مجھے برا نہیں کہا۔ ایک بار بھی ہدایت نہیں دی۔ بس اپنے عمل سے میری تربیت کرتے رہے۔ وہ ایک نہایت اعلا نمونۂ زندگی بن کر میرے سامنے رات دن رہے۔ نہ جانے میری خاطر انھوں نے اپنی کتنی خواہشات کو ترک کردیا اور مجھے انسان بنانے کے لیے اپنا آرام تک ختم کردیا۔

نونہالو! تربیت کا یہ زرّیں اصول تھا کہ دوسرے کے لیے خود نمونہ بن جایا جائے۔ ہاں، یہ کام ہے بہت مشکل، مگر میرے عظیم بھائی جان نے اس زرّیں اصول تربیت پر عمل کیا۔ خود کو نمونہ بنا بنا کر میرے سامنے رکھا۔ زندگی بھر رکھا۔ میں نے ان کے نقشِ قدم پر اپنے قدم رکھنے کا اصول بنالیا۔ وہی کرتا جو وہ کرتے۔ وہی سوچتا جو وہ سوچتے۔ وہی پہنتا جو وہ پہنتے تھے۔ وہی کھاتا تھا جو وہ کھاتے تھے۔ وہ سخت پابندِ وقت تھے۔ میں بھی پابندِ وقت ہوگیا۔ میرے عظیم بھائی نے اپنے برا چاہنے والوں کے لیے ہمیشہ اچھائیاں کیں۔ میں نے یہ اصول گرہ میں باندھ لیا۔ انھوں نے تکلیف دینے والوں کو راحت پہنچانے کا اصول اختیار کیا۔ میں نے اپنی فکر و زندگی کو اس کے مطابق ڈھال لیا۔ انھوں نے کسی کو برا کبھی نہ کہا۔ میں نے بھی یہی راستہ اختیار کیا۔ وہ رات دن کام کرتے تھے۔ میں نے بھی کام کرنے کو اپنا طریقہ زندگی بنالیا۔

نونہالو! میں آج بھی اپنے بھائی جان محترم سے سبق لینے دہلی آتا ہوں۔ دہلی چند دن رہتا ہوں۔ یہ گویا ریفریشر کورس ہوتا ہے۔ اب بھی ان سے اصولِ زندگی سیکھتا ہوں!

حکیم عبدالحمید۔ میرے بھائی جان محترم

نونہالو! آج میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں اپنے نہایت پیارے بھائی جان محترم کا تم سے پورا پورا تعارف کراؤں گا۔ اب میں نے قلم سنبھال لیا ہے۔ انشاء اللہ تمھارے لیے اب ایک چھوٹی سی کتاب تیار ہوجائے گی، مگر یہ کتاب نہ صرف تمھارے لیے لکھوں گا بلکہ نوجوانوں کو بھی اسے پڑھنے کی

دعوت دوں گا اور بڑوں کو بھی۔

نونہال ادب نے اب تک بزرگوں پر کئی کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ کتاب ہندستان کے ایک نہایت محترم انسان کے بارے میں ہے جس کا احترام پورا ہندستان کرتا ہے۔ حکومت جو آتی ہے وہ حکیم عبدالحمید کا احترام کرتی ہے۔ عوام حکیم صاحب کے دوست ہیں۔ وہ ایک کروڑ انسانوں کے معالج تو ہیں، مگر انھوں نے تعلیم اور صحت کے میدانوں میں بہت بڑے کام کیے ہیں۔ اس لیے پورا ہندستان ان کی عزت کرتا ہے۔ ان کا احترام کرتا ہے۔

۱۹۴۷ --- دہلی میں قتل و غارت

نونہالو! آزادی کا اعلان ہوا اور ہندستان پاکستان دو ملک بن گئے۔ انگریز نے ہندستان کو تقسیم کردیا۔ دراصل انگریز نے مسلمانوں کو تقسیم کردیا۔ ہندستان میں مسلمان پیش پیش تھے۔ انگریز نے ان کی پیش قدمی کو روک دیا۔ انگریز وائس رائے نے یہ شرارت کی اور پاکستان کو ہر طرح زک پہنچائے جانے کے لیے راستے بنا دیے۔

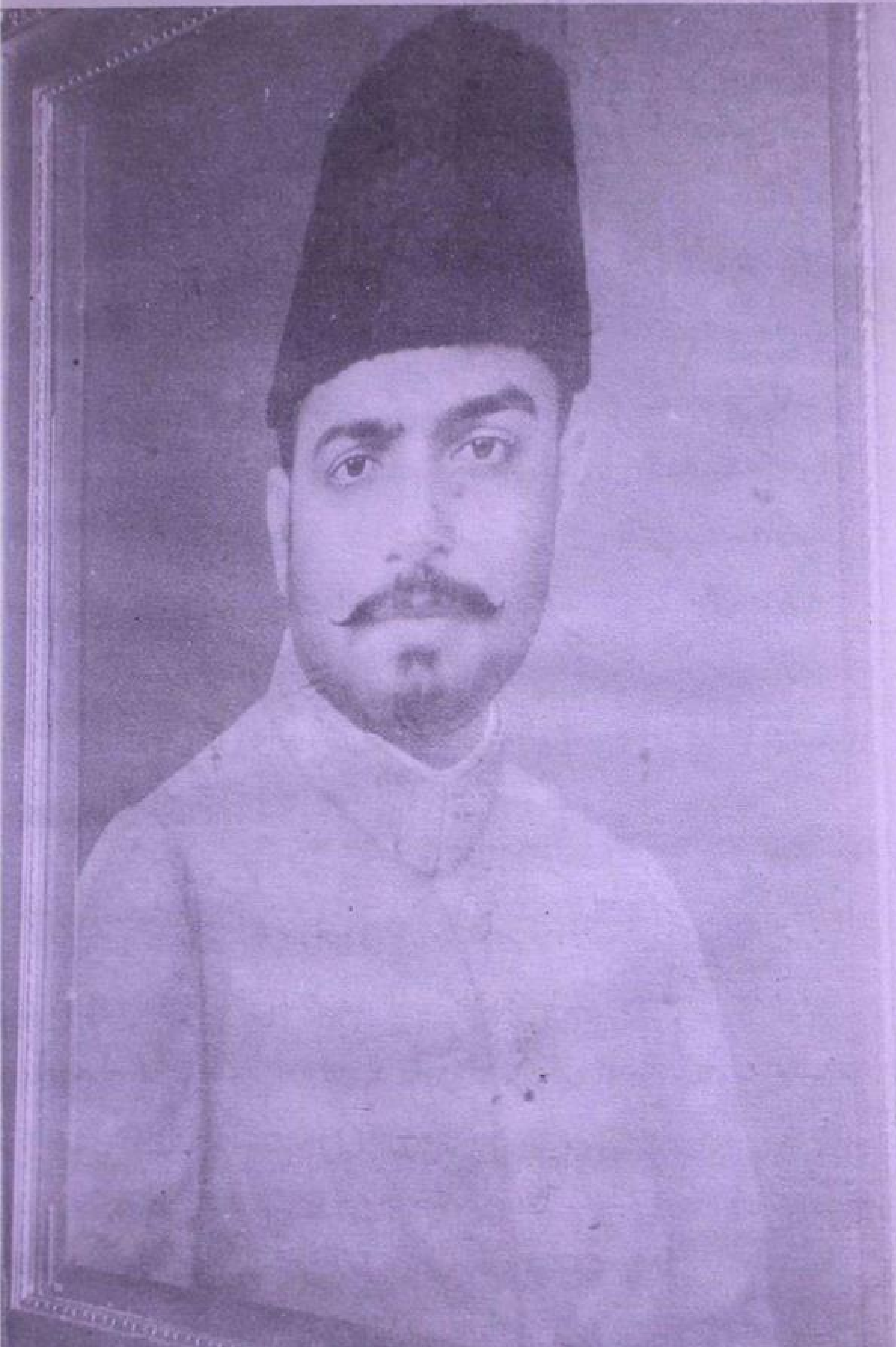
اُن دنوں ہندستان سے مسلمان پاکستان جانے شروع ہوگئے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کو دہلی سے اکھاڑنے کا فیصلہ کرلیا اور مسلمان علاقوں میں وہ قتل و غارت کیا کہ مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑ کر پرانا قلعہ میں آکر پناہ لیتے رہے۔ جامع مسجد دہلی مسلمانوں سے بھرگئی۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل مسلمان دشمن تھے۔ ان کے ایما پر دہلی کے ڈپٹی کمشنر رندھاوا نے دہلی کو فسادات کی نذر کردیا۔

اُن دنوں ہم سب نمبر ۱۱ دریا گنج میں رہتے تھے اور نمبر ۱۰ دریا گنج ہمدرد کا مرکز تھا۔ برابر میں نمبر ۲ راشٹریہ سیوک سنگھ کا مرکز تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جو دہلی میں قتل عام کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو دہلی سے نکال رہے تھے۔ ان کی نظریں نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۱ دریا گنج پر تھیں۔

نونہالو! ہم پریشان ضرور تھے، مگر نہایت بہادری کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے۔ میں تو خیر تھا ہی، مجھ سے زیادہ بھائی جان دل والے تھے۔ ان کا فیصلہ تھا کہ جان جائے، مگر ہم ہندو کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ ہمارے ساتھ بھائی حکیم محمّد یحییٰ تھے اور معروف علی تھے۔ معروف میاں ہمارے دوست تھے۔ ان کی دو بہنیں تھیں۔ ایک محترمہ بلقیس اور دوسری محترمہ نفیس۔ یہ دونوں بھی بہادر تھیں۔ ایک رات کہ جب ہنگامہ برپا تھا دونوں نمبر ۱۰ دریا گنج آ گئیں۔ کہا: ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔

نونہالو! میرے ساتھ یہ دونوں بہنیں پاکستان آ گئیں۔ ہمدرد ہاؤس کراچی میرے ساتھ رہیں۔ ان کی والدہ بیگم بیرسٹر رؤف علی بھی پاکستان آ کر ہمدرد ہاؤس میں آ گئیں۔ میری اہلیہ نعمت بیگم نے ان کا بھی بڑا خیال رکھا۔ اپنی غربت کے باوجود ان کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دی۔ ان دونوں بہنوں کی شادیاں بھی ہمدرد ہاؤس میں ہوئی۔

محترمہ بلقیس کے شوہر پروفیسر احمد علی صاحب بنے جو بلند پایہ ادیب تھے۔ محترمہ نفیس کے شوہر کمانڈر عسکری ہیں جو پروفیسر مرزا سعید بیگ کے بیٹے ہیں۔ معروف میاں ونگ کمانڈر بنے۔ اب ریٹائرڈ ہیں۔ میری ان سے دوستی قائم ہے۔



جناب حکیم عبدالحمید ۔ ۱۹۲۵ کی ایک یادگار تصویر

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

نونہالو! ہندستان کے کیا عالمِ اسلام کے نہایت عظیم عالم و انسان حضرت مولانا ابوالکلام آزاد ۷ ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو نمبر ۱۰ دریا گنج تشریف لے آئے۔ وہ وزیرِ تعلیم ہند تھے۔ انھوں نے آکر ہم دونوں بھائیوں کو ڈھارس دی۔ ان کی وجہ سے علاقے میں ہمارا ٹھیرنا ممکن ہوگیا۔ مولانا آزاد سے ہمارا تعلق قدیم تھا۔ وہ ایک مشفق بن کر آئے اور سارے انتظامات کرادیے۔

پنڈت جواہر لال نہرو

نونہالو! تم جانتے ہو کہ پنڈت نہرو ہندستان کے بہت بڑے لیڈر تھے۔ پھر ہندستان کے وزیرِ اعظم بھی بنے۔ خاندان ہمدرد اور خاندان نہرو کے نہایت اچھے تعلقات تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو دل سے چاہتے تھے کہ دہلی اس طرح نہ اجڑے کہ مسلمان یہاں نہ رہیں۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل چاہتے تھے کہ دہلی میں ایک مسلمان نہ رہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو چاہتے تھے کہ دہلی کے مسلمان کو پریشان نہ کیا جائے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے ہمدرد کی اور ہم دونوں بھائیوں کی ڈھارس بندھائی۔ ان کو میرے دہلی چھوڑدینے کا افسوس تھا۔ پنڈت جی کے بعد ان کی عظیم بیٹی محترمہ اندرا گاندھی نے وزارتِ عظمٰی سنبھالی۔ مگر انھوں نے آخر دم تک دیوالی اور عید پر ہمدرد ہاؤس آنا ترک نہیں کیا۔

راجیو گاندھی

راجیو گاندھی گویا ہمارے چھوٹے تھے۔ وہ بھائی جان محترم کا بزرگوں کی طرح تا زندگی احترام کرتے رہے۔ ہمدرد نگر ایک بار آئے۔ ہمدرد یونی

ورسٹی کا افتتاح کیا۔ ان کی کار ان کا ڈرائیور چلا رہا تھا۔ ہمدرد نگر کا دورہ کرتے وقت بھائی جان حکیم عبدالحمید آگے ڈرائیور کے پاس بیٹھ گئے۔ راجیو نے کار رکوائی۔ خود ڈرائیور کی جگہ آئے۔ کار چلائی۔ فرمایا:

حکیم عبدالحمید کے لیے ڈرائیور بن جانا میری عزت ہے!

میرے پیارے نونہالو!

تمھارے سامنے اس کتاب میں نہایت شان دار، نہایت اچھی اور نہایت تاریخی تصویریں ہیں۔ نہایت شان دار اس لیے کہ تم یہاں دو پیارے بھائیوں کو آپس میں باتیں کرتے اور باہم مشورہ کرتے دیکھ رہے ہو۔ نہایت اچھی اس لیے کہ یہ تصویر میری تیار کی ہوئی ہے اور نہایت درجہ سادہ ماحول میں ہے۔ سادگی اس کی سب سے بڑی اچھائی اور سچائی ہے۔ اور نونہالو! تاریخی اس لیے کہ تم اس تصویر میں دنیا کے ایک نہایت پیارے انسان حکیم عبدالحمید کو دیکھ رہے ہو۔ تم برِ صغیر کے ایک نہایت واجب الاحترام شخص کو دیکھ رہے ہو۔ ہندُستان کی تاریخ و تعمیر اور نیک نامی میں جن پچاس آدمیوں کے نام لیے جاتے ہیں ان میں یہ نہایت سادہ انسان بھی شامل ہیں۔ ان کا نام پورے ہندُستان، پاکستان، بنگلہ دیش، ایران وغیرہ میں نہایت عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ اسی مہینے عید سے پہلے ایران نے ان کو ایک بڑے امتیاز اور ایوارڈ سے نوازا ہے۔

میرے سعید و حمید نونہالو!

حکیم عبدالحمید وہ سادہ و شفّاف انسان ہے جس نے اپنی زندگی میں کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچایا۔ یہ وہ پیارا انسان ہے جس نے نہایت

خموشی کے ساتھ لاتعداد انسانوں کی مدد کی ہے۔ یہ وہ انسان ہے جس نے اپنی محنت سے کمایا' جفاکشی کی اور ایک علم کا شہر آباد کردیا۔ یہ وہ عظیم انسان ہے جس نے اپنی محنت' اپنی عقل اور اپنی ذہانت سے کروڑوں اربوں رُپے کماکر انسانوں کی بھلائی پر لگادیے۔ یہ وہ انسان ہے جس کے اپنے پاس کوئی دولت نہیں ہے اور کوئی جائیداد نہیں ہے۔ یہ وہ انسان ہے جس نے نونہالوں سے محبت کی ہے اور نوجوانوں کو تعلیم دی ہے۔ یہ وہ انسان ہے جس نے حاکموں کے سامنے سر جھکائی نہیں کی۔ گوشہ نشینی اختیار کی۔

یہ وہ انسان ہے جس نے دنیاوی داد و دہش کی کوئی پروا نہیں کی۔

یہ وہ انسان ہے جس نے اخلاق اور کردار کو اپنی زندگی کا حسن بنائے رکھا ہے۔

یہ وہ انسان ہے جس نے علم و حکمت کی آب یاری کی ہے۔

یہ وہ انسان ہے جس نے علم کی قدر کی ہے اور عالم کا احترام کیا ہے۔

یہ وہ انسان ہے جس نے اپنی نوجوانی' جوانی اور پوری زندگی لگاکر ہمدرد کو دنیا کا ہمدرد بنادیا! اور آج بھی اسی خدمت میں مصروف ہے!

مجھے یقین ہے کہ میرے عظیم نونہال یعنی ہزاروں لاکھوں نونہال جن سے میں مل چکا ہوں اور ہزاروں سے ہر مہینے ملتا رہتا ہوں وہ ضرور نماز پڑھتے ہیں۔ نماز میں بیٹھ کر دعا میں روز اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ پڑھتے ہیں۔ یعنی اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ ـــــ اے اللہ درود بھیج محمد پر اور آل

محمد پر۔
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ۔ جیسے تو نے اپنی رحمتیں بھیجیں ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر۔
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ لائق تعریف ہیں۔ بزرگی والے ہیں۔
حمید کے معنی ہیں: جس کی حمد کی جائے۔ اللہ تعالیٰ۔ عبدالحمید کے معنی اللہ تعالیٰ کا بندہ۔
مجید کے معنی ہیں: بزرگ۔ بڑا۔ عبدالمجید کے معنی اللہ بزرگ و برتر کا بندہ۔

میرا دل چاہتا ہے اور میری آرزو و تمنا یہ ہے کہ میرے پاکستان کا میرا ہر نونہال سعید بن جائے۔ حمید بن جائے اور مجید بن جائے۔ مگر تم جانتے ہو میرے عزیزو! اس کے لیے تم کو محنت کرنی ہوگی۔ خوب خوب محنت! اور پھر نمازیں ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعائیں مانگنی ہوں گی۔ میں نے تم کو بتایا کہ سعید، حمید یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات والا بندہ اور مجید بننے کے لیے محنت کرنی ہوگی مگر اور باتوں کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔ مثلاً

☆ اپنی ماں کا احترام۔ اپنے باپ کا احترام۔ اپنے استاد اور استانی کا احترام۔

☆ کتاب سے محبت۔ علم سے محبت۔ تعلیم سے محبت۔

☆ وقت کی قدر کرنی ہوگی اور پابندیٔ وقت کے ساتھ وقت ضائع نہ کرنا۔

☆ اپنی صحت کا خیال۔ صفائی کا خیال۔ اپنی سادہ غذا کا خیال۔ تازہ ہوا۔

☆ رات جلد سونا، صبح جلد اٹھنا۔ ورزش کرنا۔ غسل کرنا۔ نماز ادا کرنا۔

☆ اسکول میں اپنے سب ساتھیوں سے اچھا سلوک۔ ایک دوسرے کی مدد۔

☆ شوق سے پڑھنا۔ ذوق سے سیکھنا۔

☆ عزّت کرنا۔ اخلاق سے بات کرنا۔

تنزیلٌ مِن حکیمٍ حمیدٍ

قرآن حکیم ایک حکمت والی اور لائق حمد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے۔ اس میں ہر بات سچ ہے۔ ہر بات حق ہے۔ ہر عنوان صدق ہے۔ اس میں باطل کا کوئی دخل نہیں ہے۔

خاندان ہمدرد مجموعی طور پر قرآنِ حکیم سے سرشار ہے۔ اس خاندان کا ہر کام قرآنِ حکیم کی روشنی میں ہوا کرتا ہے۔ اب تم نونہالو! ان تصویروں کو بہت غور سے دیکھو! میں تو چار دن سے خود ان بزرگ کو نہایت قریب سے دیکھ رہا ہوں۔ تم نے دیکھا کہ میں ان کے سامنے کس قدر ادب سے بیٹھا ہوں۔ ان کے سامنے میں اپنی نگاہ اونچی نہیں کرسکتا۔ ذرا تم بھی دیکھو! حکیم عبدالحمید وہ انسان ہیں جنھوں نے ویران تغلق آباد کو آباد کردیا۔ ایک تعلیم آباد بنادیا جہاں سیکڑوں ہزاروں نونہال تعلیم حاصل کررہے ہیں اور عظیم شخصیات تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں۔ ایک ہمدرد یونی ورسٹی بنادی جہاں سیکڑوں ہزاروں طالب علم پڑھ رہے ہیں۔ رسرچ لیبورٹریاں بناکر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ ہسپتال قائم کرکے غریبوں کے علاج کا سامان

کردیا۔ نرسنگ کالج، فارمیسی کالج بنادیے جہاں سیکڑوں طلبہ علم حاصل کررہے ہیں۔ ایک اسلامی لائبریری قائم کردی جہاں ہزاروں لاکھوں کتابیں موجود ہیں اور صاحبانِ علم ان سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔ درجنوں ادارے بنادیے جو طب اور علم و حکمت کے میدانوں کو سر کررہے ہیں۔

نونہالو! حکیم حافظ عبدالمجید ہم دونوں بھائیوں کے والد محترم تھے۔ تم کو میں نے قرآنِ حکیم کی آیتوں میں مجید، حمید، سعید تین نام بتائے ہیں۔ میں نے قرآنِ حکیم کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ ہم اپنا ہدایت نامۂ زندگی قرآنِ حکیم کو قرار دیتے ہیں اور اپنی زندگیوں کو قرآن کی ہدایت میں رکھنا چاہتے ہیں۔ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک واقعہ یاد آگیا

ہندُستان پر خاندان تغلق کی حکومت تھی۔ انھی دنوں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی درس و تبلیغ میں مصروف تھے۔ سیکڑوں ہزاروں انسان رات دن ان کے چاروں طرف جمع رہتے تھے۔ حضرت خواجہ کی یہ شہرت بادشاہ غیاث الدین تغلق کو گوارا نہ تھی۔ اس نے ارادہ کیا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو اپنے دربار میں بلائے۔ اپنا ایلچی بھیجا۔ اس نے جاکر حضرت کو حاکمِ وقت کا پیغام دیا اور کہا کہ دربار میں آپ کی طلبی ہے۔ حاضری ہے۔

پورے احترامات کے ساتھ حضرت خواجہ نے معذرت کرلی، اور دربارِ شاہی میں جانے سے انکار کردیا۔

نونہالو! بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری۔ اس نے حضرت خواجہ



ڈت جواہرلال نہرو۔ فیکلٹی اوف سائنس کا سنگِ بنیاد رکھ رہے ہیں۔ محترم عبدالحمید ساتھ کھڑے ہیں



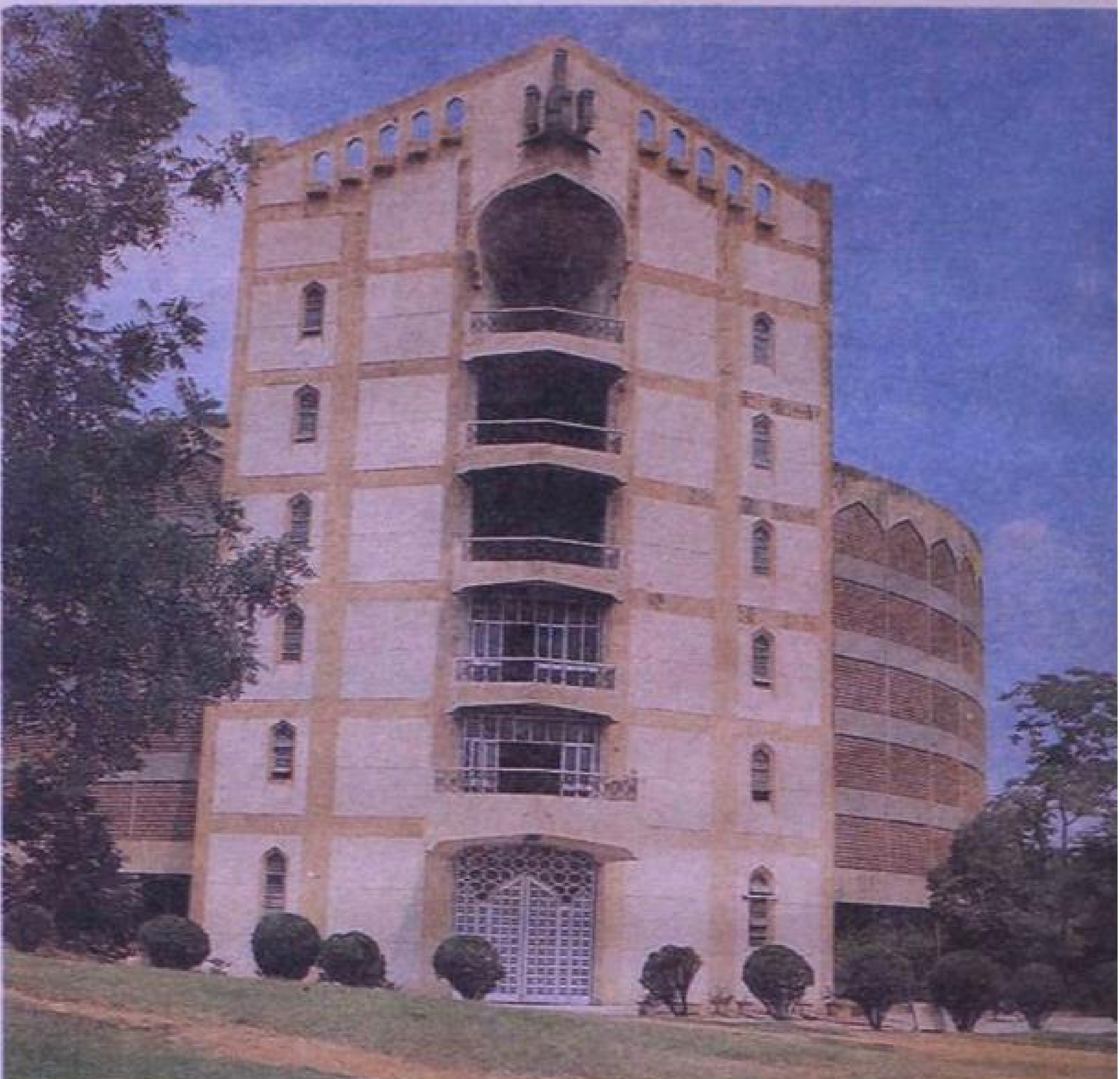
فیکلٹی اوف سائنس



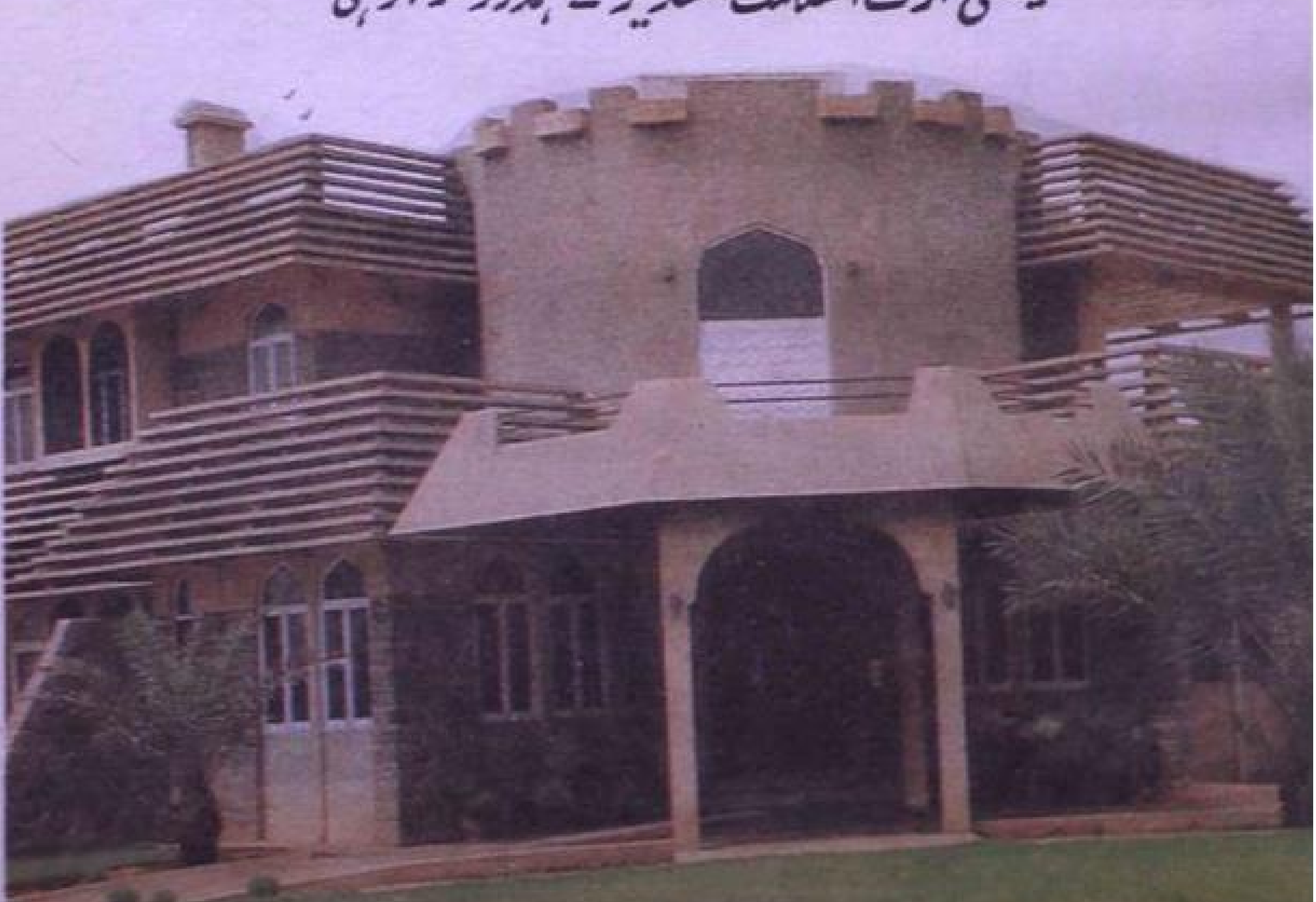


فیکلٹی اوف فارمیسی

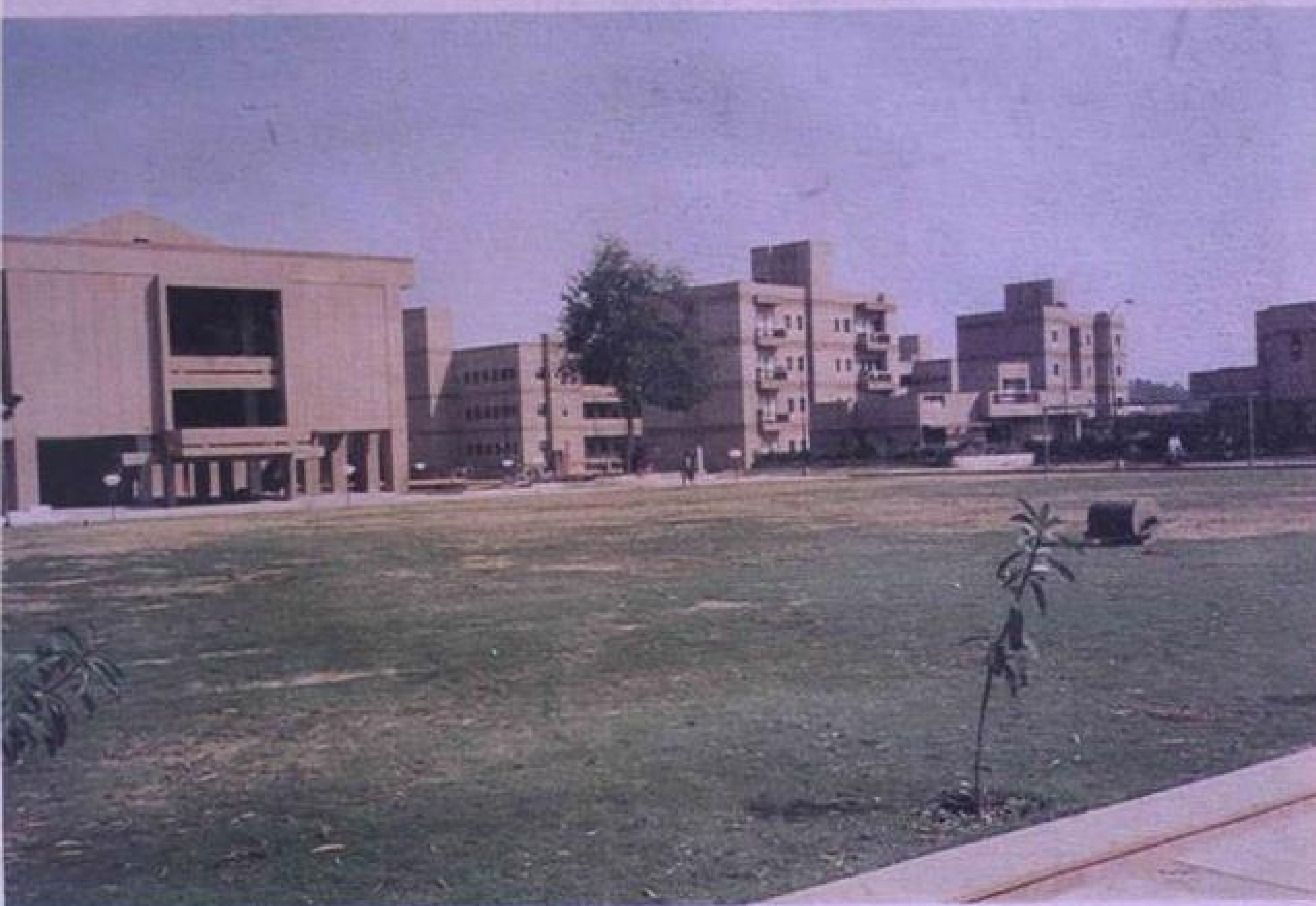
ہمدرد نگر

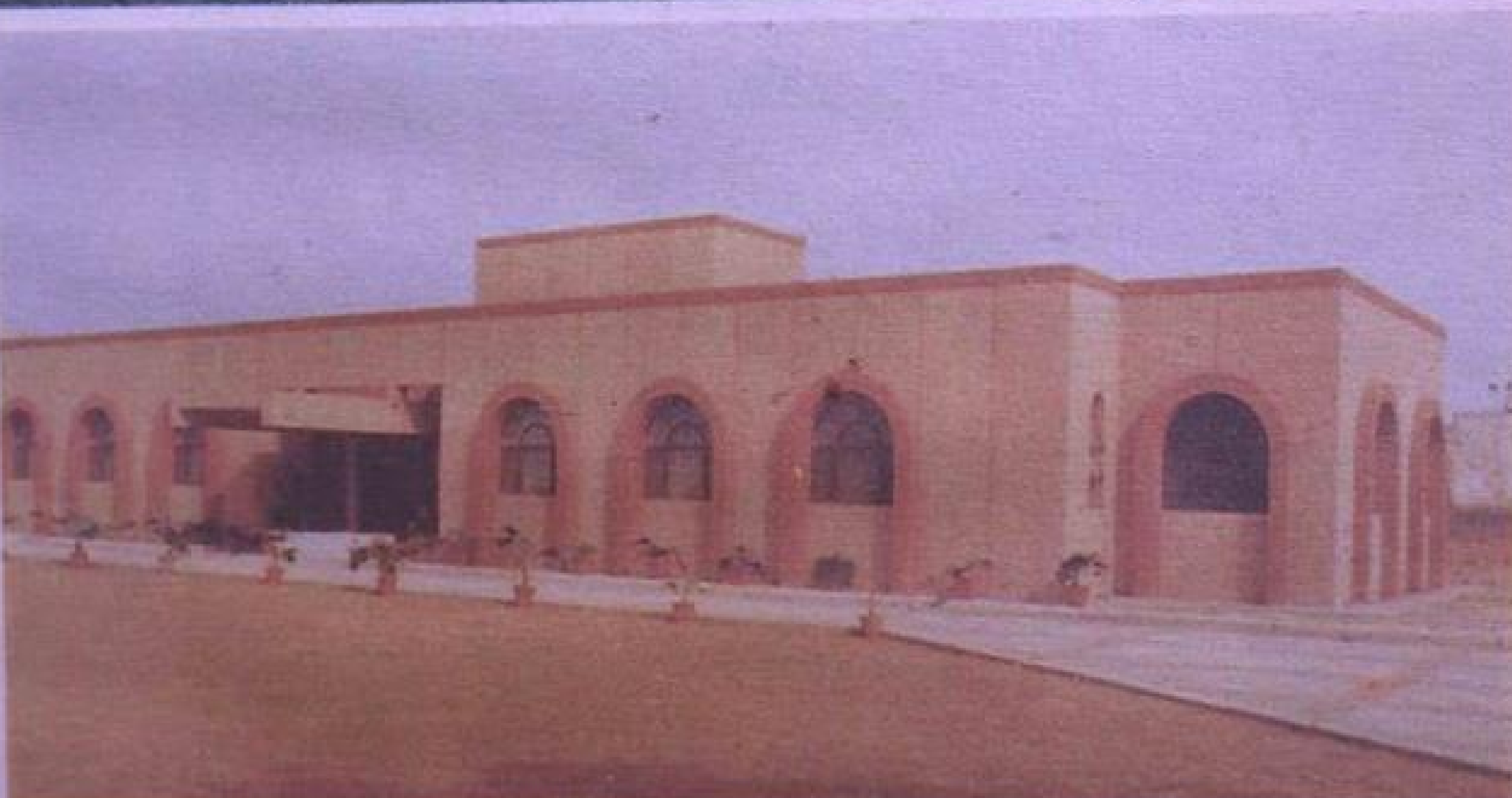


فیکلٹی اوف اسلامک اسٹڈیز ۔ ہمدرد نگر، دہلی



تعلیم آباد





کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں۔ جن کا کوئی اثر حضرتؒ پر نہ ہوا۔ جب ایذا رسانی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو حضرت نے بد دعا دی۔ فرمایا :

یہ قلعہ تغلق یا تو رہے اوجڑ، یا بسیں اس میں گوجر!

نونہالو! اس بد دعا کا اثر ہو کر رہا۔ تغلق کی حکومت ختم ہوئی۔ قلعہ تغلق اجاڑ ہوگیا۔ برس ہا برس اوجڑ رہا اور بعد میں اس میں آکر گوجر (دودھ والے) آباد ہوگئے!

تغلق آباد، آباد

یہ کوئی ۱۹۶۰ء بلکہ ذرا پہلے کی بات ہے کہ جناب حکیم عبدالحمید صاحب نے سوچا کہ ایک مرکزِ تعلیم شہر سے باہر بنایا جائے۔ ان کے ذہن میں یہ خیال تو ۱۹۵۰ء میں آیا تھا۔ اسی خیال کے ساتھ ہم دونوں بھائیوں نے ۱۹۵۶ء میں یورپ کا سفر کیا تھا۔ جب کہ ۱۹۵۰ء میں ہم دونوں بھائی جنوب مشرقی ایشیا کے متعدد ملکوں کا دورہ ساتھ مل کر کرچکے تھے۔ ان مشرق اور مغرب کے دوروں کا مقصدِ وحید یہ تھا کہ ہمیں اپنی زندگی میں خدمتِ خلق کا کوئی ایسا کام ضرور کرنا چاہیے کہ ہم ایک انسانی فرض سے عہدہ برآ ہوجائیں۔

میرے عظیم نونہالو! زندہ --- زندہ

انسان یقیناً اس لیے پیدا نہیں ہوا ہے کہ وہ پیدا ہو، کھاتا رہے، پیتا رہے، کھیلتا کودتا رہے، دادِ عیش دیتا رہے، صحت مند رہ کر بیمار پڑے اور مرجائے۔ چلو قصّہ ختم۔ جو لوگ اس طرح پیدا ہو کر مرجاتے ہیں ان کو کون جانتا ہے؟ میرے عزیزو، ذرا غور کرو! مگر جو انسان دوسرے انسانوں کی خدمت

کرتا ہے‘ان کے کام آتا ہے‘ان کی مدد کرتا ہے‘ان کی راحتوں کا انتظام کرتا ہے وہ زندہ بھی رہتا ہے اور مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔

نفیٔ ذات

ہم دونوں بھائیوں نے اپنی زندگی کا یہ مقصد طے کرلیا تھا کہ ہم اپنی ذات کو بُھلا کر دوسرے انسانوں کی خدمت کریں گے اور یہ خدمت زیادہ تر صحت اور تعلیم کے میدانوں میں ہوگی اور ہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہر کام کریں گے۔نونہالو! اس فیصلے کا نتیجہ ہمدرد نگر، تغلق آباد ہے اور اس فیصلے کا ثمر مدینتہ الحکمہ ہے!ہاں تمہارا مدینتہ الحکمہ!

دوسرا باب

دو بھائیوں کی چار چار تصویریں

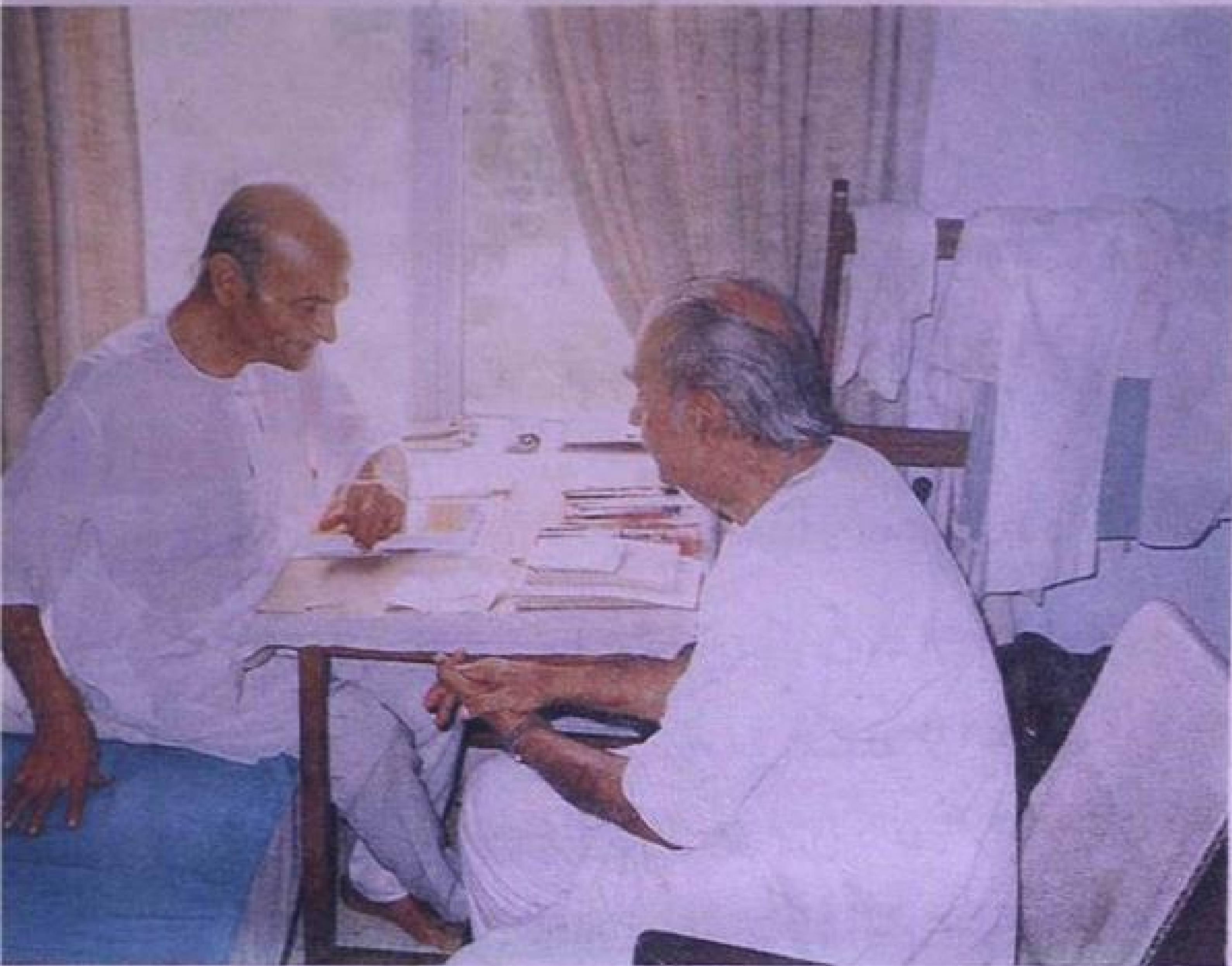
عظیم نونہالو! اب تم ان چاروں تصویروں کو دیکھو۔ ان تصویروں میں ہم دو نہایت اچھے بھائی بیٹھے ہیں۔ ایک ۸۸ سال کے دوسرا ۷۶ سال کا! نو سال کی عمر میں قرآنِ حکیم حفظ کرنے کے بعد میری والدہ محترمہ رابعہ بیگم نے اپنی تربیت سے نکال کر مجھے بڑے بھائی جناب حکیم عبدالحمید کے زیر تربیت کردیا تھا۔ وہ میری نو سال کی عمر اور اب میری چھتّر سال کی عمر!

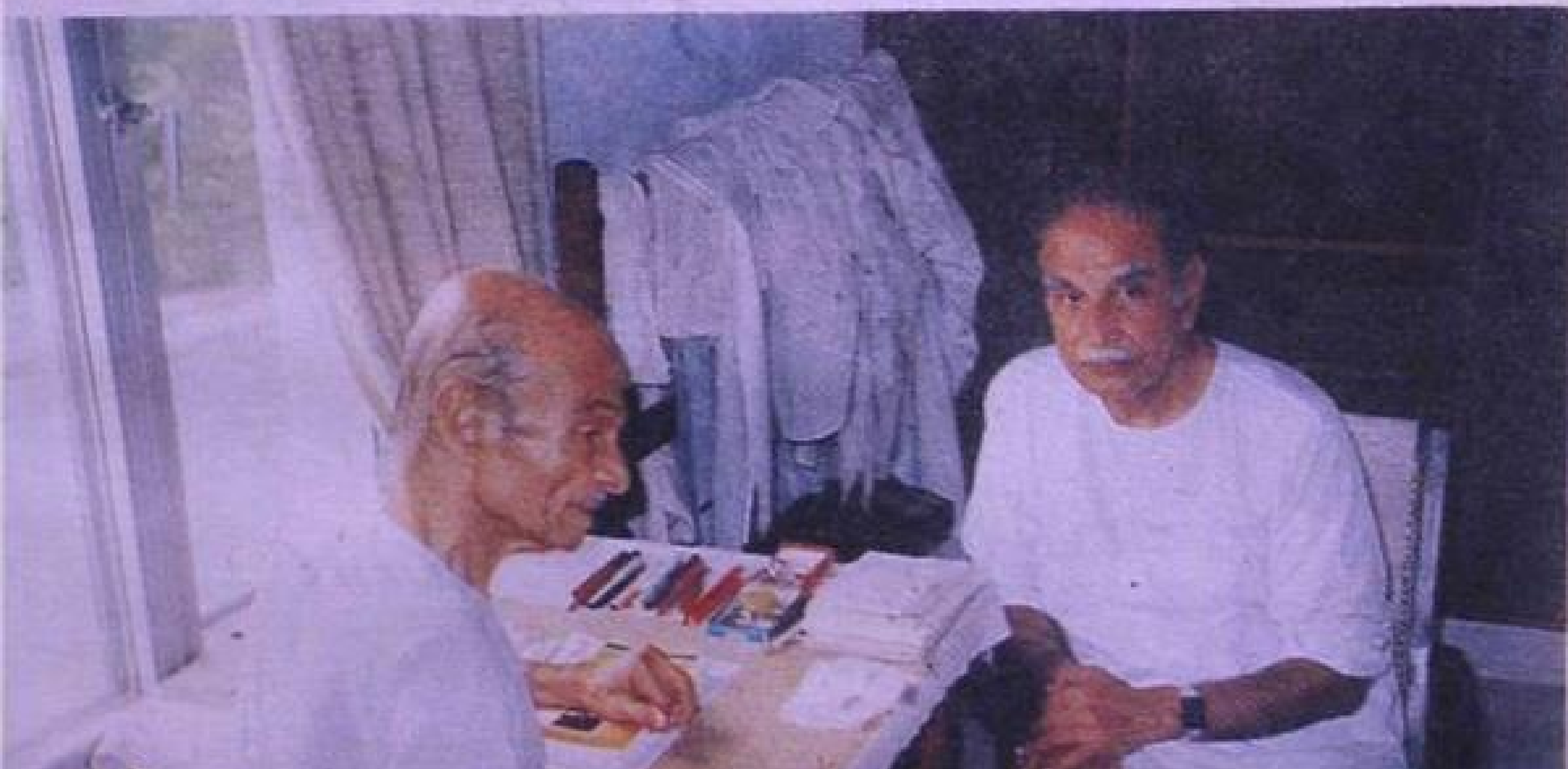
نونہالو! میں اب بھی بڑے بھائی کے سامنے نہایت ادب سے بیٹھتا ہوں۔ انھوں نے میری تربیت و تعلیم کے لیے اپنا ہر آرام قربان کردیا۔ میں ان کا یہ احسان کیسے بھول سکتا ہوں!

ہم دونوں بھائیوں میں اتنی طویل زندگی میں کوئی ایک اختلاف نہیں ہوا۔ ہماری باہمی محبت ایک بڑی شاندار مثال ہے۔ ہم دونوں بھائی یک دل یک فکر اور یک مزاج ہیں۔

مجھے ایک تاریخی بات یاد آتی ہے۔ آؤ نونہالو! تم کو راز کی بات بتا ہی دیتا ہوں! جب میری شادی ہوئی تو ایک رات جناب بھائی جان محترم کی

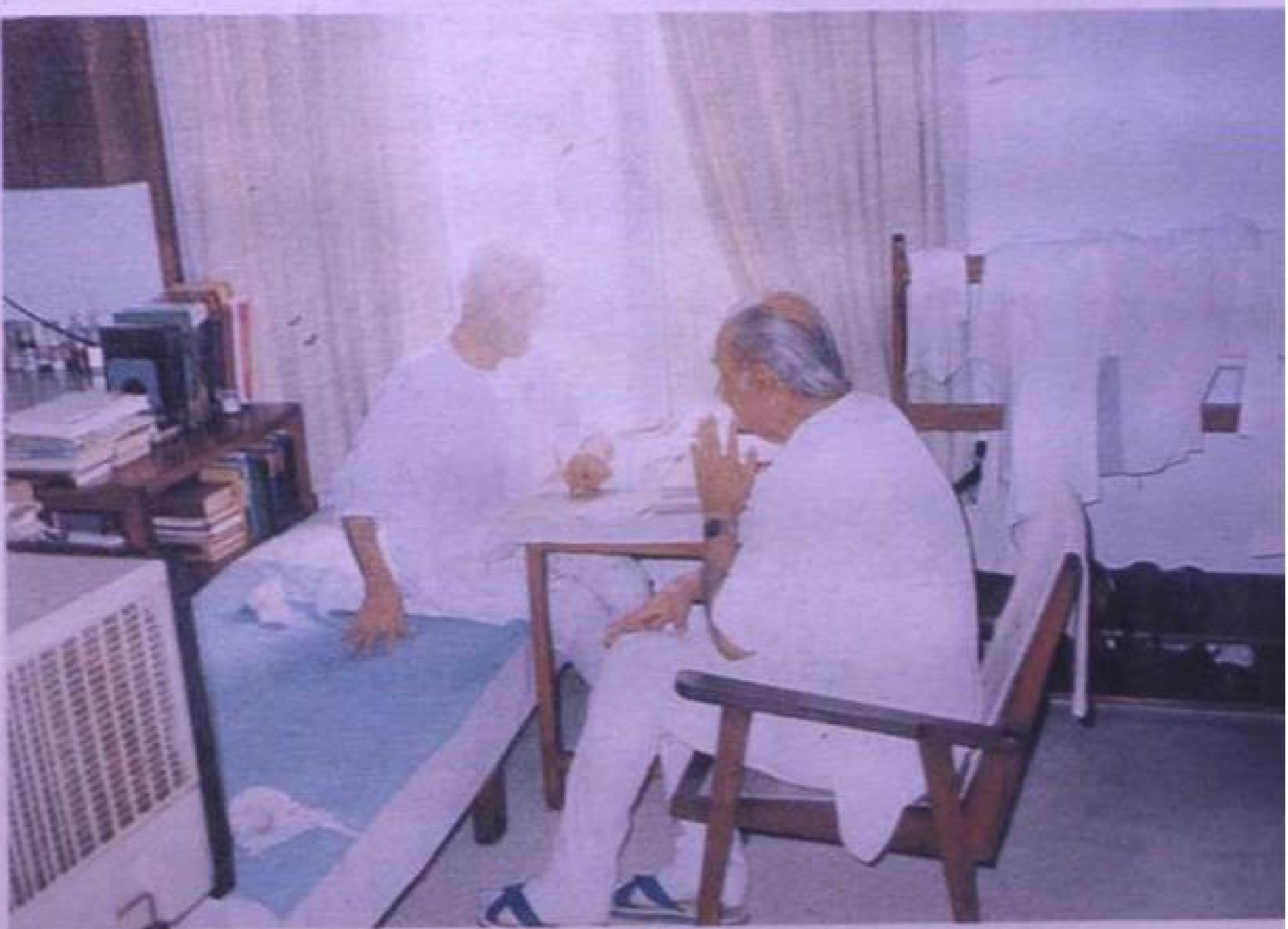
دو بھائی : حکیم عبدالحمید ، حکیم محمد سعید





دونوں بھائی ایک دوسرے کے پاس بیٹھے ہوئے غور و فکر کر رہے ہیں





خدمت میں ہماری پیشی ہوئی۔ میں تھا' میری اہلیہ نعمت بیگم تھیں۔ بھائی جان محترم کی اہلیہ سعیدہ بیگم تھیں۔ ہم چاروں نہایت ادب سے ان کے سامنے جا کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے ایک جملہ فرمایا :

"محترم بیگمات! ہم دونوں بھائی مثالی بھائی ہیں۔ ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ اب تم دونوں بیگمات خوب غور سے سن لو! اگر تمھارے درمیان ذرا بھی کوئی اختلاف ہوا تو تم دونوں کو اپنے اپنے گھروں کو جانا ہوگا!"

نونہالو! یہ دونوں بیگمات اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جنّت میں بھی یہ دونوں دل سے دل ملا کے ساتھ رہتی ہوں گی!

بڑے بھائی جان کے دو فرزند

نونہالو! وقت گزرتا گیا۔ بھائی جان محترم کے بیٹے عبدالمعید اور حماد احمد بڑے ہوتے رہے۔ یہ دونوں میرے بھتیجے تھے۔ میں چچا اور وہ بھتیجے۔ جب وہ بڑے ہوئے' جواں سال ہوئے تو وہ بات دلوں میں پیدا ہوئی جو تاریخ میں ہر خاندان میں ہوتی ہے اور انقلابات لاتی ہے۔

ان نہایت اچھے بھتیجوں کے دل میں ضرور یہ خیال آیا کہ یہ چچا جان کون بزرگ ہیں جو سارے کاروبار پر حاوی اور قابض ہیں۔ ان کی جائیداد تو ہمارے ابّا جان سے بھی زیادہ ہے!

نونہالو! جس دن میں نے اپنے بھتیجوں کے دلوں میں اس کانٹے کو محسوس کیا میں نے ایک تاریخی فیصلہ کرلیا۔ میں نے ۱۹۴۴ء میں کراچی کو اپنا مرکز بنانے کا ارادہ کرلیا۔ مگر بات ٹلتی رہی۔ ۱۹۴۴ء میں' میں کراچی آ کر رہا تھا۔ پھر مارچ ۱۹۴۷ء میں کراچی آیا۔ یہاں سندھ انڈسٹریل ٹریڈنگ اسٹیٹ

میں زمین خریدی۔ ایک مکان کا فیصلہ کیا۔

میں نے مصلحت کا احترام کیا اور ہجرت کا فیصلہ کرلیا۔

نونہالو! ابھی پاکستان کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ وہ تو ۳ر جون ۱۹۴۷ء کو مغرب کے وقت ہوا تھا۔ میں کراچی سے دہلی آگیا۔ پاکستان کا اعلان ہوگیا۔

اب میں نے ہجرت کا حتمی اور آخری فیصلہ کرلیا۔

میں خاندان میں کوئی افتراق پیدا نہیں کرسکتا تھا اور میں اپنے عظیم بڑے بھائی کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ یہ ساتھ دل کا ساتھ تھا۔ یہ ساتھ محبّت کا ساتھ تھا۔ یہ ساتھ احترام کا ساتھ تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ہمدرد خاندان میں چچا بھتیجوں کی لڑائی کا کوئی بھی امکان ہو۔ عزّتِ خاندان نے مجھے راہِ ہجرت دکھائی۔ میں نے سنّت کے طور پر اسے قبول کرلیا۔

۹ر جنوری ۱۹۴۸ء کو صبح ۱۰ بجے میں نے ہندستان کو چھوڑ دیا۔ میں نے اپنی والدہ محترمہ کو دل مسوستے چھوڑ دیا۔ میں نے اپنے عظیم بھائی کو غموں کے پہاڑ تلے دبتا چھوڑ دیا۔ مگر میں نے ایک عظیم قربانی دی اور غربت اختیار کرلی۔ میں نے اپنے بھتیجوں کے لیے راستہ صاف کردیا۔ میں نے اپنے عظیم بھائی کی محبّت کو برقرار رکھنے کے لیے دہلی کو خیرباد کہہ دیا۔

میں نے اپنی ساری جائیداد اپنے بھتیجوں کے لیے چھوڑ دی۔ میں نے اپنی ساری دولت کا اپنے پیارے بھتیجوں کو مالک بنادیا اور خود فقیری اور غریبی اختیار کرلی۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ شاہِ بلخ

نونہالو! اس وقت ایک نہایت دل چسپ اور تاریخی واقعہ یاد آگیا

ہے۔ آؤ' ذرا سنو! ایک مسافر تھا۔ فقیر تھا۔ غریب تھا۔ گزر رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک نہایت خوب صورت عمارت پر پڑی۔ اُدھر چل پڑا۔ قریب آیا تو نگہ بانوں نے روکا۔ پوچھا : کیا چاہتے ہو؟ مسافر نے کہا : مسافر ہوں' رات یہاں اس سرائے میں ٹھیر کر بسر کرنا چاہتا ہوں!

نگہ بان اور داروغہ اور گارڈ سب نے قہقہہ لگایا۔ مسافر کو سمجھایا : میرے بھائی! یہ سرائے نہیں ہے۔ شاہِ بلخ کا محل ہے۔ تم یہاں رات بسر نہیں کرسکتے۔ مگر تو نہالو! مسافر فقیر اڑ گیا : نہیں' یہ سرائے ہے۔ رات میں اسی سرائے میں بسر کروں گا!

ہنگامہ ہوا۔ شور برپا ہوا۔ بات شاہ بلخ حضرت ابراہیم ادھم تک پہنچی۔ ماجرا انھیں سنایا گیا۔ شاہ بلخ مسکرائے۔ حکم دیا : مسافر کو ہمارے رُو برو پیش کرو!

مسافر شاہ بلخ کے سامنے آیا۔ ادب سے سلام کیا۔ سلام کرنا شیوۂ مسلم ہے۔ شاہ بلخ نے اپنے قریب بٹھایا۔ پوچھا : کیا چاہتے ہیں آپ؟

چاہتا واہتا کیا' جناب میں مسافر ہوں۔ رات آرہی ہے۔ ایک شب اس سرائے میں قیام کروں گا۔ صبح چلا جاؤں گا۔ شاہ بلخ نے کہا : جناب شاہ صاحب! یہ تو میرا محل ہے۔ سرائے اسے آپ نے کیسے کہہ دیا۔

اب فقیر ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ گویا ہوا :

جناب شاہِ بلخ! آج تو آپ یہاں رہتے ہیں۔ آپ سے پہلے یہاں کون رہتا تھا؟

شاہ بلخ نے کہا : میرے والد۔

مسافر : آپ کے والد سے پہلے کون رہتا تھا؟

شاہ : ان کے والد۔

نونہالو! مسافر نے شاہِ بلخ سے کہا : جناب یہ سرائے نہیں تو کیا ہے؟ کل آپ نہیں ہوں گے کوئی اور یہاں آکر رہے گا!

شاہ بلخ خاموش ہوگئے۔ ہدایت جاری کی کہ مسافر کو رات آرام سے یہاں رہنے دیا جائے۔

نونہالو! میری تحقیق یہ ہے کہ اس واقعہ نے ابراہیم ادھم پر گہرا اثر کیا۔ پھر انھوں نے تخت و تاج چھوڑ دیا۔ فقیری اور غریبی اختیار کرلی اور ساری زندگی ایک درویش کی زندگی گزار دی۔

میں نے بھی امیری چھوڑ کر غریبی اختیار کرلی!

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے : درویشی بادشاہت سے بہتر ہے' بہ شرطے کہ دنیا کا تعلق شامل نہ ہو!

غربت تو حُسن ہے!

میرے عظیم نونہالو! غریب ہونا کوئی بُرائی نہیں ہے۔ غربت میں زندگی بسر کرنا عین راحت ہے۔ تم نے غور کیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ساری زندگی غربت میں گزاری۔ اس غربت نے نبی اکرم کو دنیا کا سب سے بڑا انسان بنادیا!

غربت ایک حُسن ہے۔ غربت کا احترام کرنا چاہیے اور غریب کی عزت کرنی چاہیے۔ غربت کو بڑائی سمجھنا چاہیے۔

افسوس یہ ہے کہ پاکستان نے غربت کو ناپسند کیا۔ پاکستان نے امیر بننا پسند کیا۔ اس امیری کے لیے کاسۂ گدائی ہاتھ میں لے لیا۔ در در بھیک مانگی۔ جب بھیک ملنی بند ہوگئی تو پھر اپنی عزّت فروخت کردی۔ اپنا ہر حُسن گروی رکھ دیا۔ اپنی مقدّس زمین کو بیچ دیا!

مگر نونہالو! کیا پاکستان امیر بن گیا؟

پاکستان اگر غریب رہتا تو اس کی عزّت قائم رہتی۔ امیر بننے کے شوق نے اس سے خود داری چھین لی ہے۔ آج پاکستان کی دنیا کی اقوام میں کوئی عزّت نہیں ہے۔

غربت حُسن ہے! غربت عزّت ہے!

غربت ہی وہ جذبہ ہے کہ جو انسان کو خدمت پر آمادہ کرتا ہے!

خدمت کا ایک نمونہ!

نونہالو! مکّۃ المکرّمہ کے ایک نواحی علاقے میں دور دراز ایک غریب عورت رہتی تھی۔ بوڑھی تھی اور نابینا تھی۔ اس کا کوئی عزیز تھا نہ رشتے دار۔ ایک دن کیا ہوا کہ حضرت عمرؓ کا گزر اس راستے سے ہوا۔ انھوں نے دیکھا کہ نابینا عورت نہایت صاف ستھرے کپڑے پہنے اطمینان سے چارپائی پر بیٹھی ہے۔ صاف ستھرا گھر ہے۔ نہ کوڑا نہ کرکٹ۔ گھڑے میں تازہ پانی بھرا ہے۔

حضرت عمرؓ بڑے حیران ہوئے کہ اس نابینا معمّر (بوڑھی) خاتون کا کوئی رشتہ دار ہے نہ عزیز۔ پھر کون اس کی دیکھ بھال کررہا ہے۔ پوچھا : مائی تیرا کام کون کرتا ہے؟ بوڑھی عورت نے جواب دیا : پتا نہیں کون اللہ کا بندہ

ہے۔ ہر صبح آتا ہے۔ گھڑے میں تازہ پانی بھرتا ہے۔ گھر کی صفائی کرتا ہے۔ مجھے کھانا کھلاتا ہے۔ نہ کوئی بات کرتا ہے۔ بس اطمینان سے چلا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ اب تو اور حیران ہوئے۔ دوسرے دن صبح ہی صبح بعد نمازِ فجر وہ بوڑھی عورت کے گھر آکر چھپ کر بیٹھ گئے۔ ذرا ہی دیر بعد وہ عظیم شخص گھر میں تشریف لائے۔ انھوں نے گھر میں جھاڑو دینی شروع کی۔ گھڑے میں پانی بھرا۔ اپنے ساتھ کھانا لائے تھے۔ بوڑھی عورت کو خاموشی سے کھانا کھلایا اور تشریف لے گئے۔

حضرت عمرؓ نے نہایت حیرانگی کے عالم میں دیکھا کہ وہ عظیم انسان خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق تھے!

نونہالو! تم نے دیکھا کہ اسلام کے سپاہی کیسے انسان ہوتے ہیں!

ہم خادم دو بھائی

نونہالو! ہم دونوں بھائی اکثر و بیشتر جب سر جوڑ کر بیٹھ جاتے تو یہ سوچا کرتے تھے کہ ہم انسانوں کی خدمت کس طرح کریں۔ ایک تو ہم دونوں حکیم تھے۔ طبیب تھے۔ ہم نے حکماء کی عظیم روایت برقرار رکھی ہے۔ یعنی مریضوں کی خدمت کی ہے اور ان سے ایک پیسہ بھی معاوضہ آج تک نہیں لیا ہے۔ ہم دونوں بھائیوں نے اسی انداز سے خدمت کا فیصلہ کیا تھا۔ ہم اس فیصلے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے قائم ہیں!

نونہالو! ہم دونوں بھائیوں نے ایک فیصلہ یہ کیا تھا کہ ہم طب کو اختیار کریں گے اور اس طب کو دنیا کے سامنے ایک فطری اور حقیقی طب کے طور پر پیش کر کے اس کو تسلیم کرائیں گے۔ ہم دونوں بھائیوں نے اس پر

تسلسل کے ساتھ عمل کیا اور آج دنیا طب کو تسلیم کرتی ہے۔ ہماری زندگی کا یہ مشن پورا ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم شکر ادا کرتے ہیں۔

ہم دونوں بھائیوں نے پروگرام بنایا کہ ہم تعلیم کے میدانوں میں پیش قدمیاں کریں گے۔ ہم نے اس مشن کی تکمیل کے لیے رات دن کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمدرد نگر اور مدینتہ الحکمہ کو قائم کردیا ہے جہاں ابتدا سے یونی ورسٹی تک تعلیم دونوں جگہ ہو رہی ہے۔

اب ہم دونوں بھائی اپنی اپنی جگہ مطمئن ہیں۔ اب ہم چاہتے یہ ہیں کہ ہم جب اس دنیا میں نہ ہوں تو سلسلۂ خدمت جاری و ساری رہے۔ ان دنوں ہم اسی پر غور کر رہے ہیں۔

میرے درویش بڑے بھائی

اپنی مزاجی افتاد کی وجہ سے میں نے دہلی کو خیرباد کہہ دیا تو میری جدائی کو میرے عظیم بھائی نے خاموشی سے برداشت کرلیا اور انھوں نے درویشی اور فقیری اختیار کرلی۔ اب تم ان چاروں تصویروں کو غور سے دیکھو!

☆ میرے بڑے بھائی جناب حکیم عبدالحمید نے جو پاجامہ پہن رکھا ہے اس میں تین پیوند لگے ہوئے ہیں!

☆ ان عظیم انسان نے گزشتہ ۱۵ سال سے کوئی نیا کپڑا نہیں بنایا ہے۔ پرانے کپڑوں کو دھو دھو کر پہن لیتے ہیں۔

☆ ایک تصویر میں تم دیکھو کہ کپڑے ایک ریک پر پڑے ہیں۔ ان کے کپڑوں کے لیے الماری غیر ضروری ہے۔

☆ ہم دونوں بھائی دہلی میں جہاں بیٹھے ہیں یہ ہندستان کے ایک

عظیم انسان کا بیڈ روم ہے۔اس بیڈ روم ہیں ہی ان کا دفتر ہے۔ دفتر کی میز تم ذرا غور سے دیکھو۔ دفتر میں کرسی نہیں ہے۔ اسی تخت کو کرسی بنالیا ہے جس پر وہ سوتے ہیں۔

☆ان کے کمرے میں کوئی ائرکنڈیشنر نہیں ہے۔بس ایک واٹرکولر رکھا ہے۔

☆ایک تصویر میں وہ فکر میں غرق ہیں۔ایک میں ان کے چہرے پر مسکراہٹ ہے۔

چار تصویریں اور!

میرے سعید نونہالو!

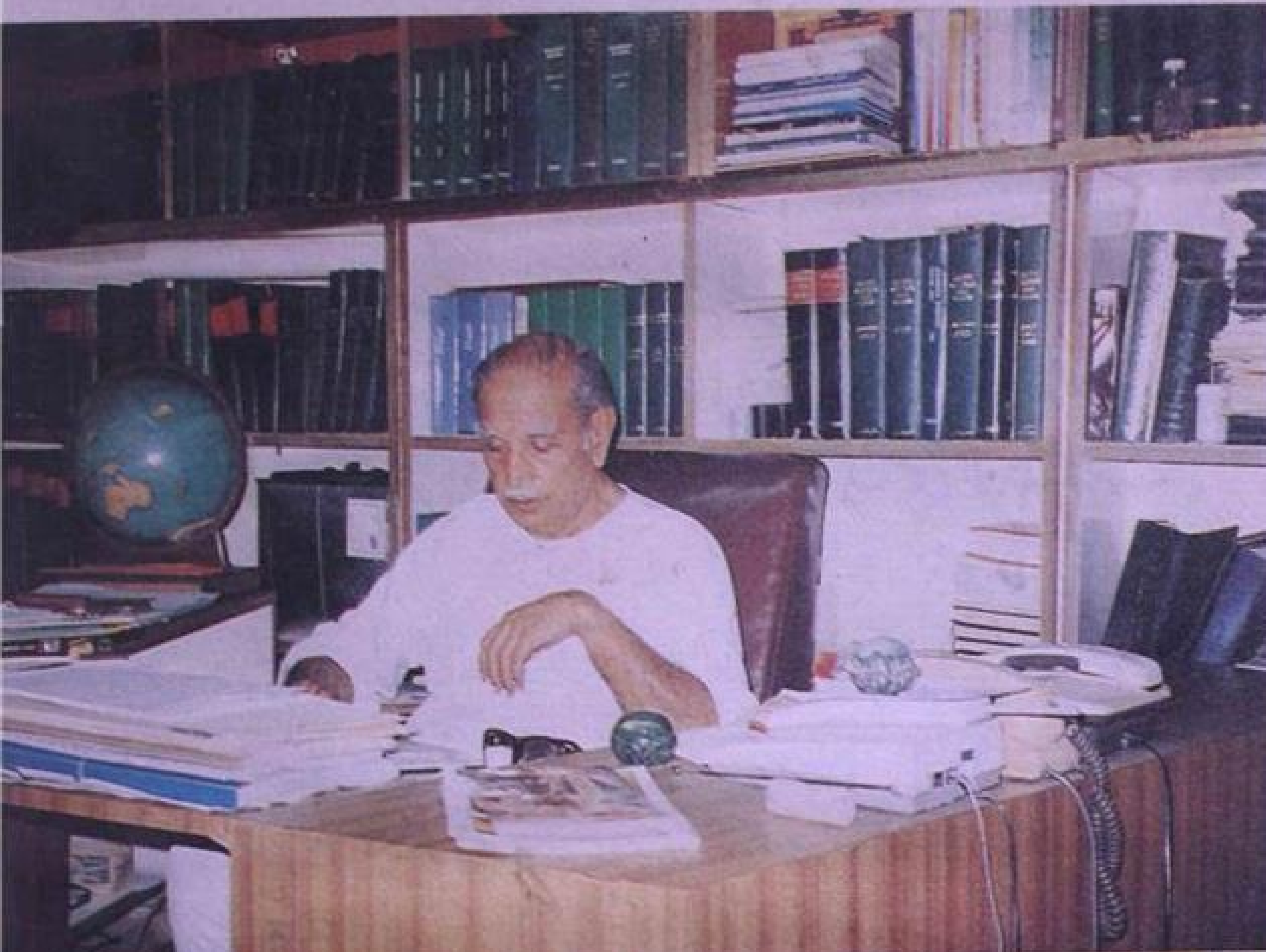
اب تم مقابلے میں چار تصویریں اور دیکھ لو۔

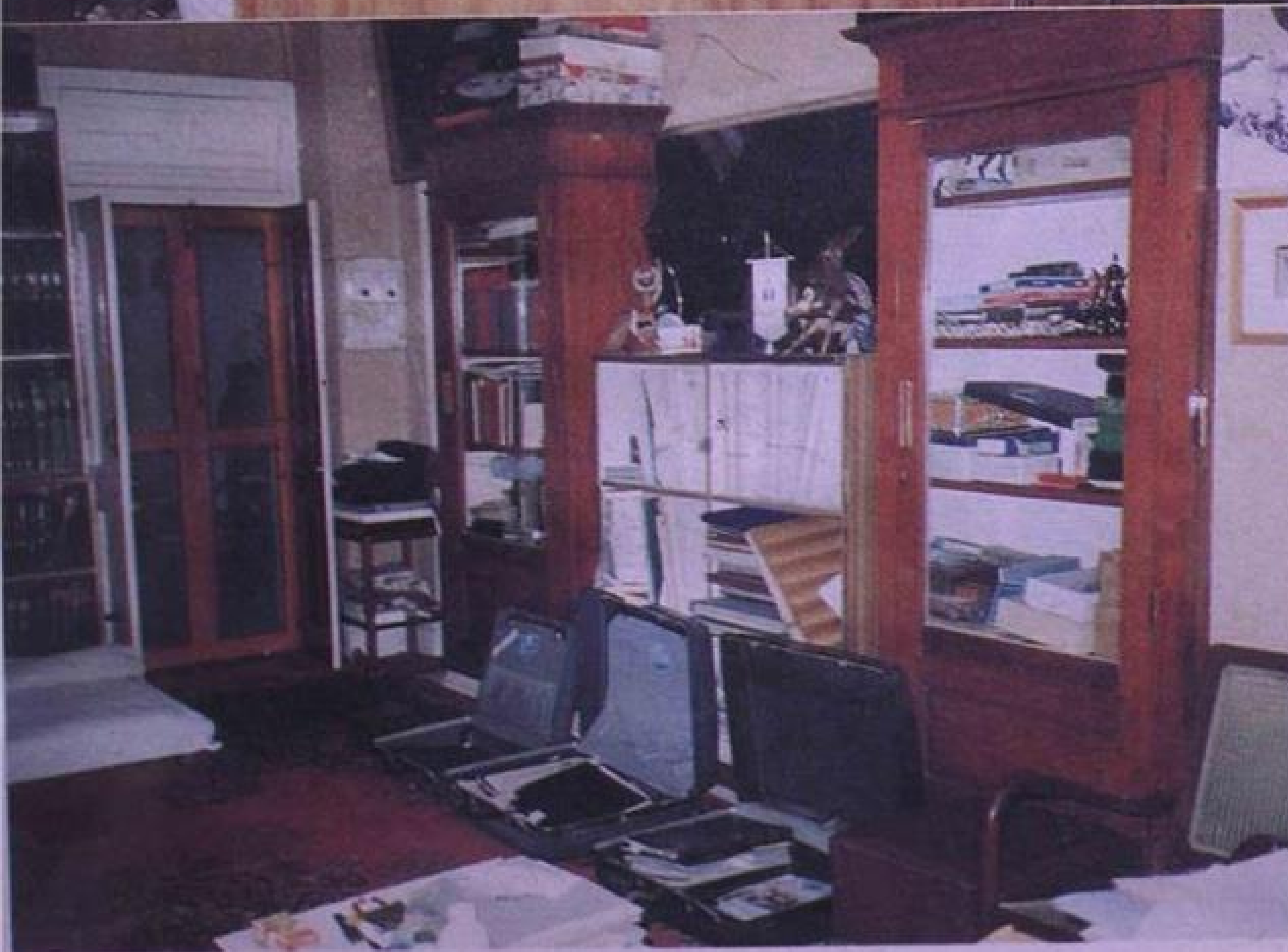
کمرہ میرا ہے۔ کراچی کے گھر میں ہے۔ جب میں کراچی آیا تھا(۹ر جنوری ۱۹۴۸ء) اس وقت اس کمرے میں بس ایک چٹائی تھی اور میں تھا۔ کوئی دری قالین یہاں نہ تھا۔ ۱۹۵۳ء تک یہ کمرہ خالی تھا۔ ڈھنڈار تھا۔ میں ایک چٹائی پر سویا کرتا تھا۔ یہ میری غربت کا زمانہ تھا۔

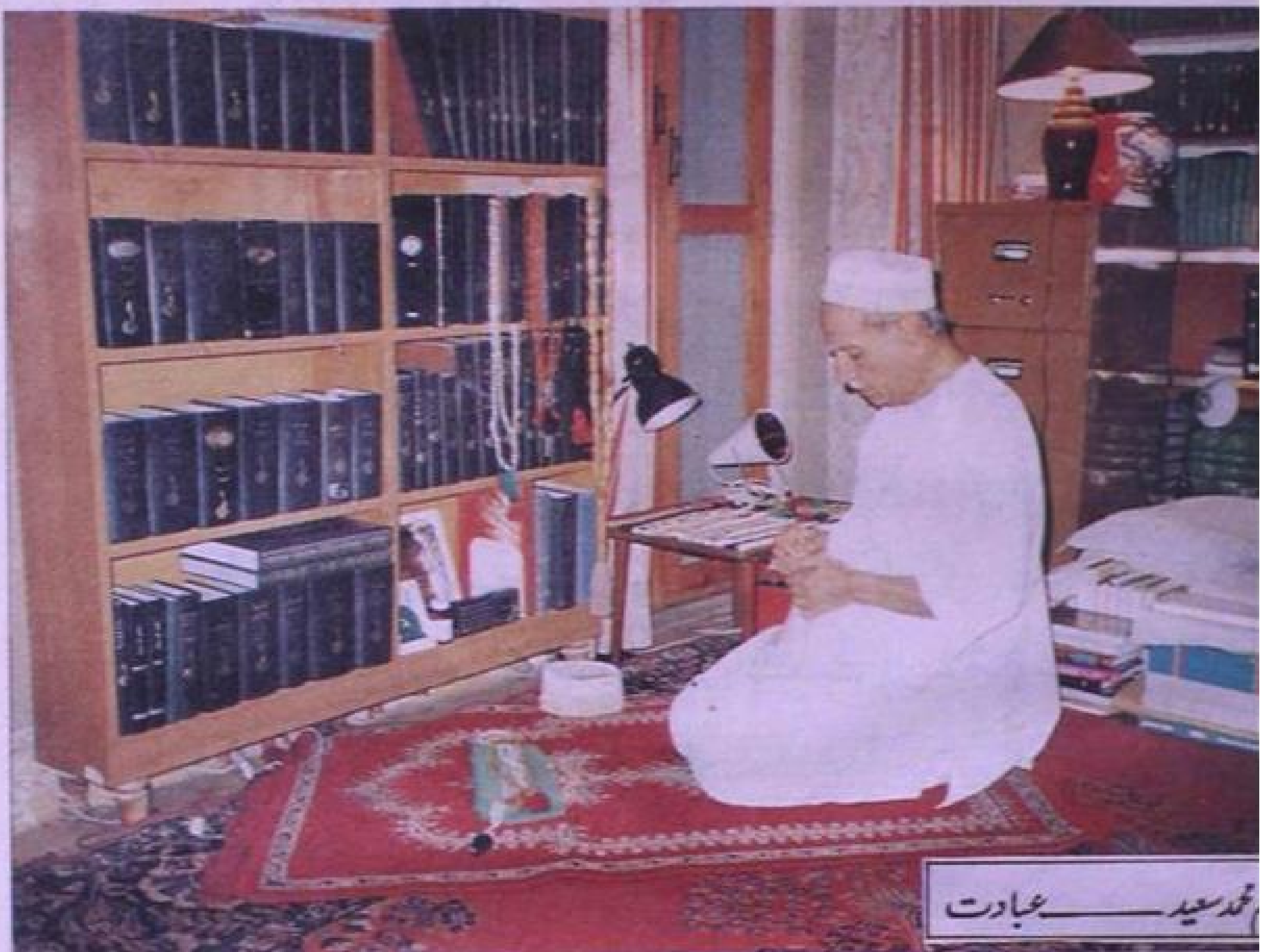
مگر اب اس کمرے میں جو پونے ستائیس فیٹ لمبا اور ساڑھے دس فیٹ چوڑا ہے چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں ہیں، مگر نونہالو! یہ سب کی سب کتابیں میری تحریرات ہیں۔ یہ سب کی سب دنیا بھر سے میری خط و کتابت ہے۔ یہاں ہر رسالہ وہ ہے جو میں نے ایڈٹ کیا ہے۔

نونہالو! یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کمرے میں ہر کتاب، ہر فائل، ہر جلد میری ہے۔ میری لکھی ہوئی ہے۔اب نونہال غور کریں گے جب میں اس

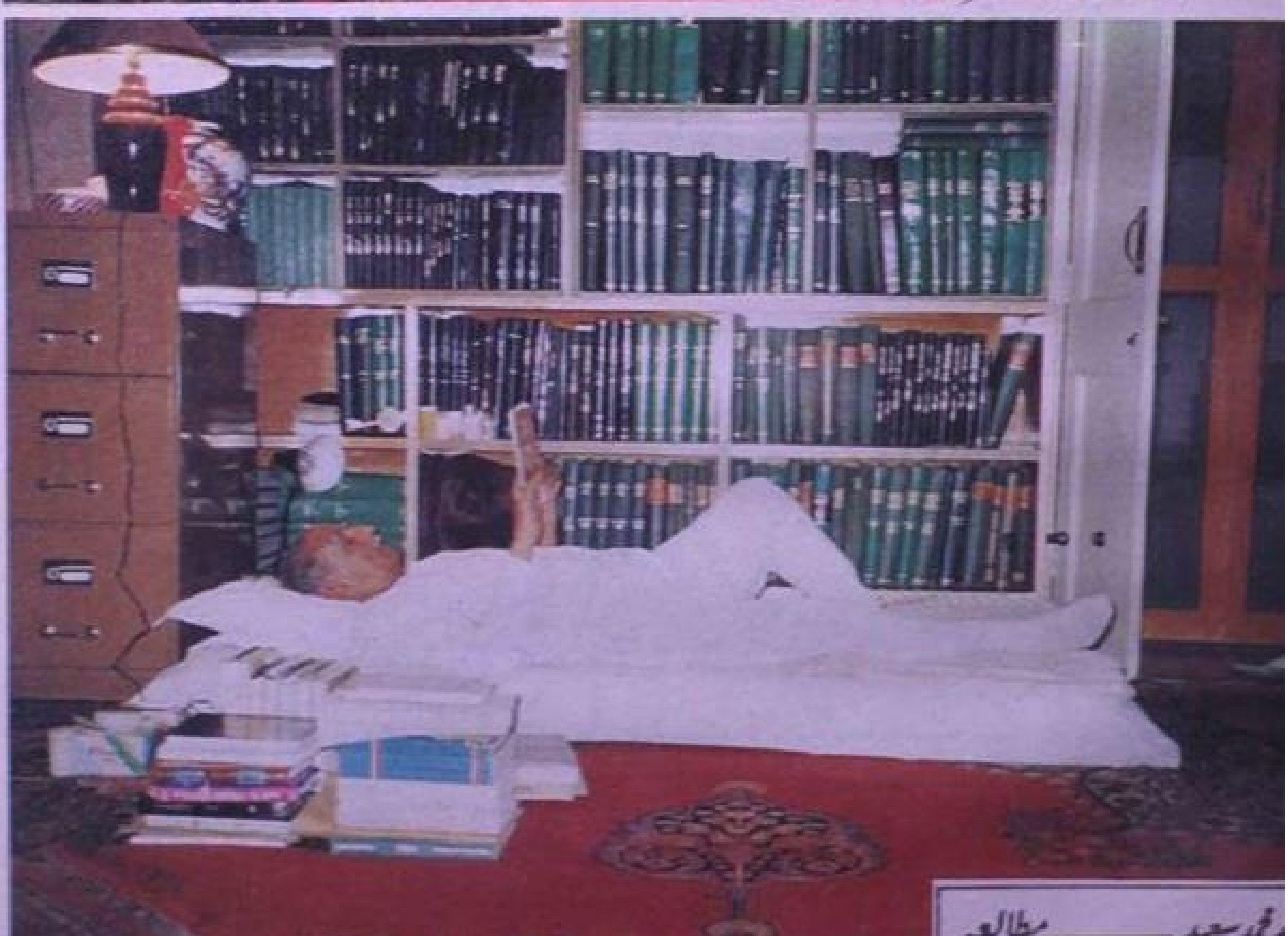
حکیم محمد سعید　　بیت الحکمہ، اپر سندھ کولونی کے مکان نمبر ۵۸/۱ میں ایک کمرہ جہاں ۴۸ سال سے قیام۔







م محمد سعید ـــــ عبادت



م محمد سعید ـــــ مطالعہ

کمرے میں آتا ہوں تو میرا دل کس قدر خوش ہوتا ہے۔ اس کمرے میں کم از کم ۵ گھڑیاں ہیں!

نونہالو! اسی کمرے میں میرا دفتر ہے۔ ۴۸ سال سے میں اسی کمرے میں بیٹھ کر دنیا کا ہر کام کرتا رہا ہوں۔ تصویروں میں تم دیکھو گے کہ میری میز بھی یہاں ہی لگی ہوئی ہے۔ اور اسی کمرے میں میری عبادت کی جگہ بھی ہے۔ قرآنِ حکیم، تفسیر کی کتابیں اور درجنوں تسبیحیاں یہاں ہیں۔ یہاں ایک ریڈیو بھی ہے۔ اسی کمرے میں ڈاک کے بیگوں کی جگہ بھی ہے۔ شام کو ہمدرد سے 'مدینتہ الحکمہ سے درجنوں فائل مجھے ملتے ہیں۔ شام یہ بیگ کھولے جاتے ہیں اور صبح واپس چلے جاتے ہیں۔

نونہالو! میری پوری دنیا یہی کمرہ ہے۔ ہاں میری کام کی میز پر دائیں جانب دنیا کا نقشہ ہے۔ ایک ریڈیو ہے روس کا اور دوسرا جرمنی کا بنا ہوا۔ ایک چھوٹے سائز کا ٹیلے وژن ہے۔ ایک لیمپ ہے جو آٹومیٹک ہے۔ جب بجلی چلی جاتی ہے یہ لیمپ خود بہ خود روشن ہو جاتا ہے۔

ایسا ہی ایک لیمپ میرے سرہانے بھی ہے۔

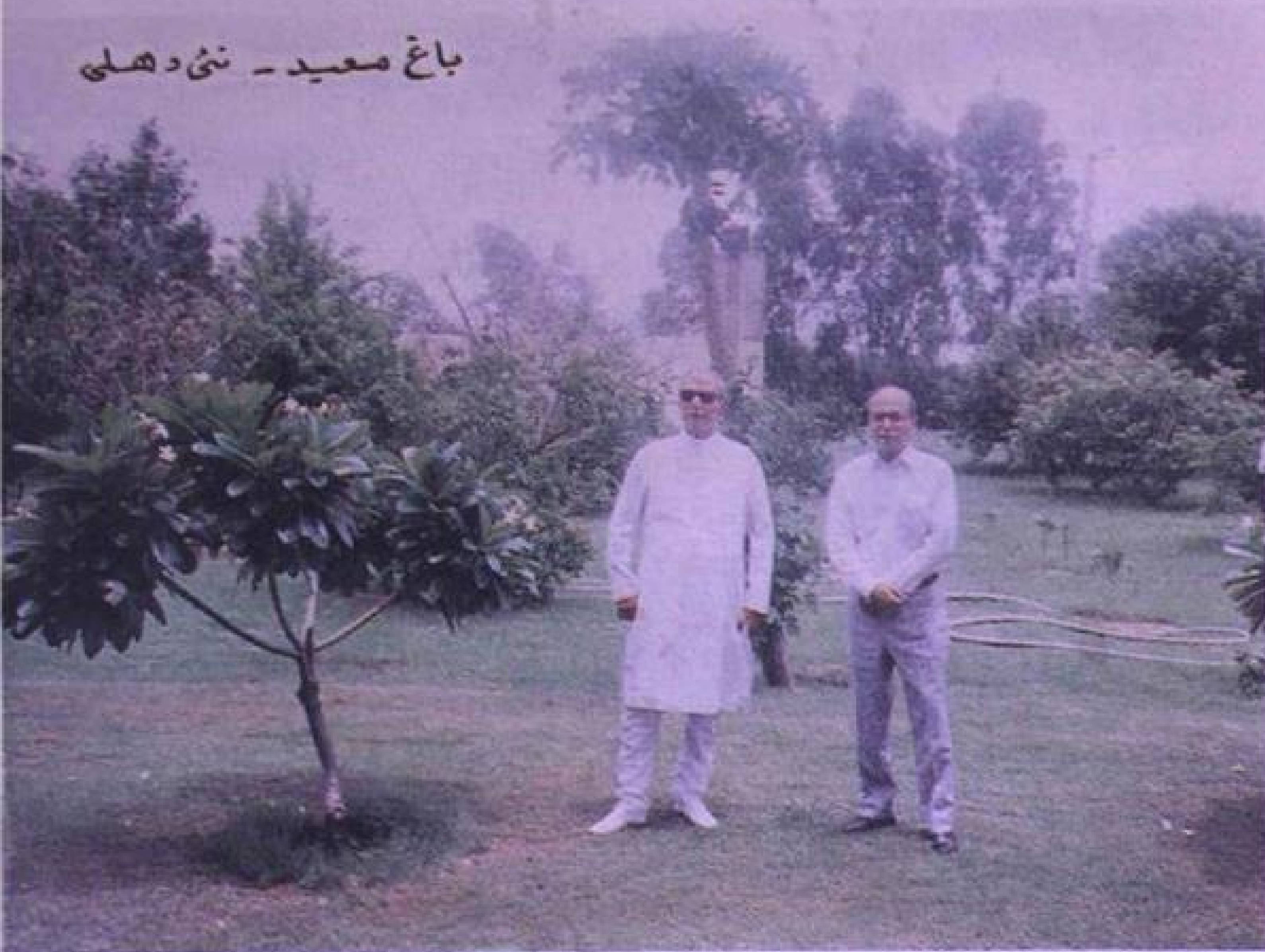
بڑی شرم آئی مجھے!

نونہالو! تم نے دہلی میں جناب بڑے حکیم صاحب کا کمرہ دیکھا۔ اور تم نے میرا کمرہ دیکھا۔ سائز دونوں کا برابر ہے، مگر میرا کمرہ قالین سے آراستہ ہے۔ بس یہاں یہی ایک چیز زیادہ ہے۔ اب مجھے بے حد شرم آرہی ہے کہ یہ قالین کیوں ہے۔ اب میں جلد مدینتہ الحکمہ رہنے کے لیے جا رہا ہوں۔ وہاں میں نے اپنا اتنا ہی بڑا کمرہ بابا چوکی دار کے کمرے کے اوپر بنانے کی

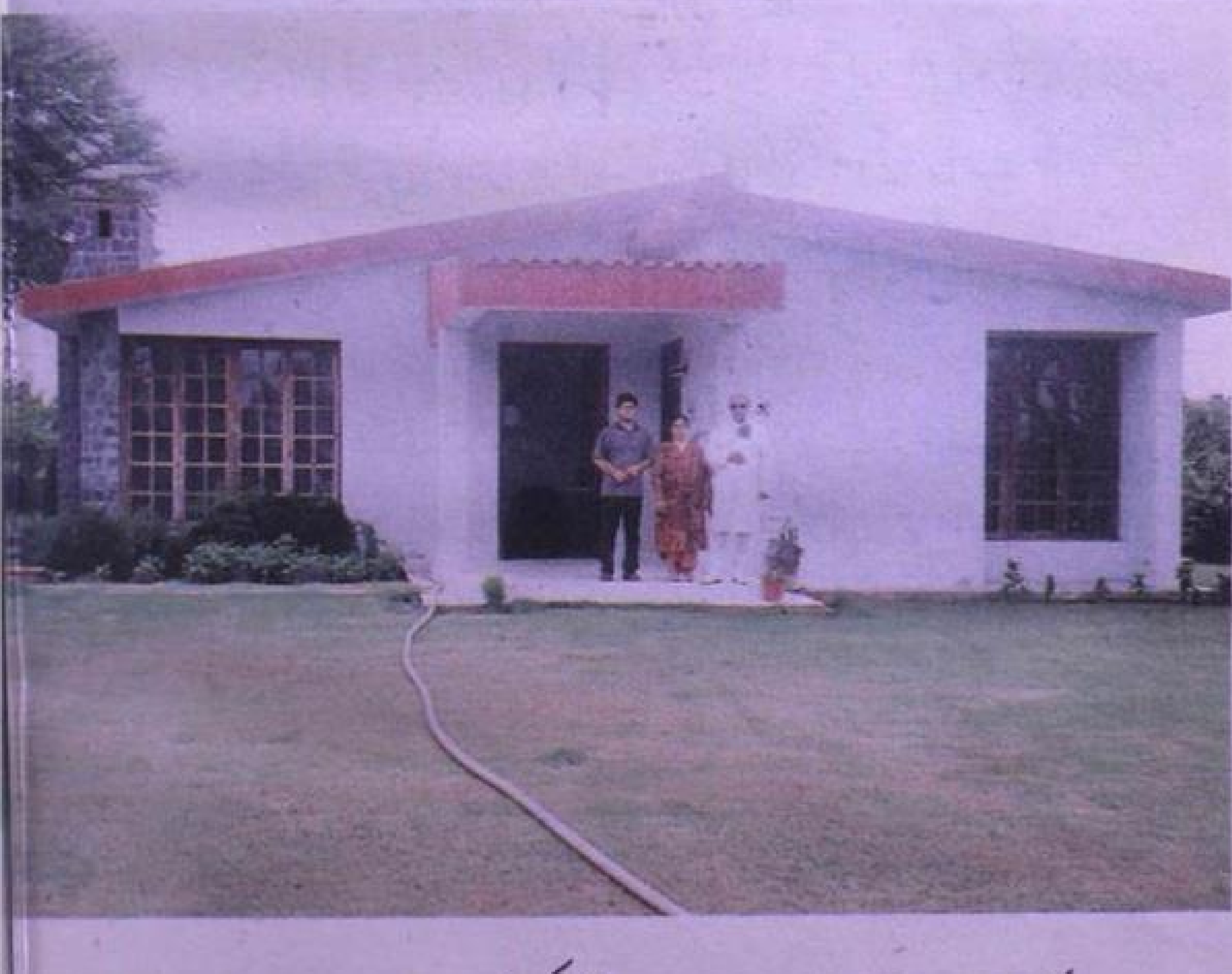
ہدایت دی ہے۔ وہاں قالین نہیں ہوگا!

دلوں کے اندر باغات

ایک صبح میاں عبدالمعید نے کہا : چچا جان! آج ذرا گڑ گاؤں چلیں گے۔اس علاقے میں میں نے ایک باغ بنایا ہے۔ میں کیسے انکار کرتا۔ میں نے کہا ضرور ضرور! ایک صبح ہم کار میں روانہ ہوئے۔ میری سگی بھانجی عزیزہ مسعودہ (میاں عبدالمعید کی اہلیہ) میاں معید اور میں۔ کار چلا رہے تھے میاں اسد معید۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے۔ یہ ان دنوں ہمدرد یونی ورسٹی دہلی کے کالج اوف فارمیسی میں زیرِ تعلیم ہیں۔ گڑ گانوں دہلی کے صوبے میں تھا اب صوبہ ہریانہ میں آگیا ہے۔ دہلی سے کوئی ۴۵۔۵۰ کوس۔ راہ میں ہوائی میدان آیا۔ پھر وہ علاقہ آگیا جہاں ایک نہایت ہی زندہ دل انسان نے ایک شہر آباد کیا ہے۔ امیرانِ دہلی نے بعض نے ایک ایکڑ اور بہت سوں نے زیادہ ایکڑ زمین خریدی ہے۔ اس زمین پر باغ بنایا ہے اور اس باغ میں ایک کاٹیج۔ اب تو یہاں خاصی آبادی ہوگئی ہے۔ دہلی کی مصروفیتوں سے تنگ آکر یہاں امراء و روٴسا آرام کے لیے آتے ہیں۔ اب یہاں ایک کلب بھی ہے۔ زمیندار اس کے رکن بن جاتے ہیں۔ جو لوگ زمین نہیں خرید سکتے ان کے لیے چھوٹے چھوٹے مکانات (کاٹیج) بنے ہیں اور کرائے پر ایک دو دن کے لیے مل جاتے ہیں۔ خوب خیال آیا۔ میں نے اس بستی کے منصوبہ ساز سے بھی ملاقات کی۔ کلب میں بھی گیا جہاں ہر سہولت موجود ہے۔ بہت مرتب اور مرصع یعنی خوب صورت جگہ ہے۔ یہاں اب دعوت دی جاتی ہے کہ لوگ آئیں اور شادیاں کریں۔ برتھ ڈے پارٹیاں منعقد کریں۔ وغیرہ۔



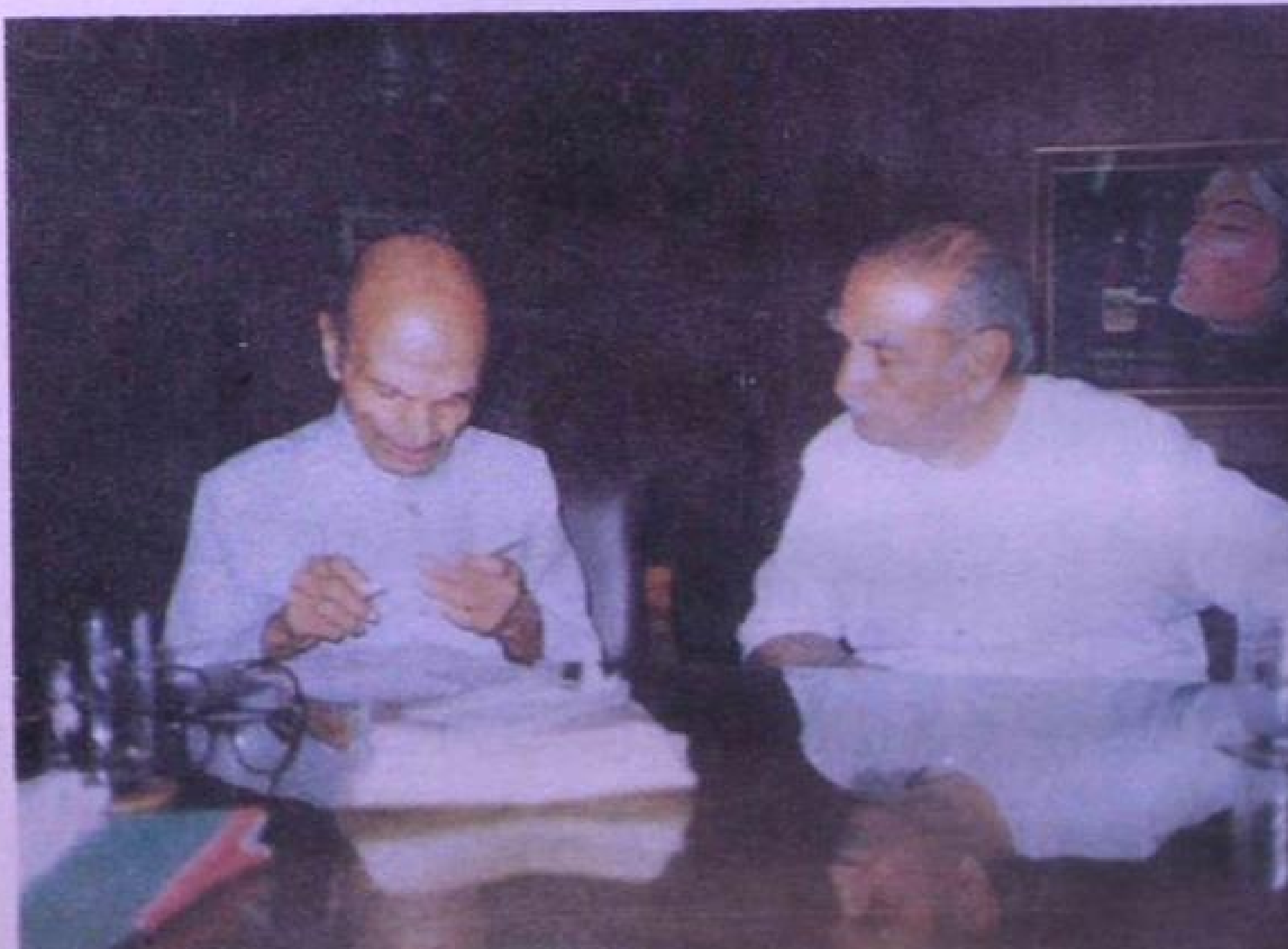
جناب عبدالمعید ۔ حکیم محمد سعید



حکیم محمد سعید ۔ محترمہ مسعودہ معید بھانجی حکیم محمد سعید ۔ میاں اسعد معید



تبادلِ خیال: ہمدرد نگر میں جناب حکیم عبدالحمید، جناب حکیم ظل الرحمان (علی گڑھ) حکیم محمد سعید



حکیم محمد سعید ـــــ دو بھائی ـــــ محترم حکیم عبدالحمید

میاں معید اور مسعودہ کا باغ واقعی نہایت خوب صورت ہے۔ اس میں طرح طرح کے پھول پھل بھی لگے ہوئے ہیں۔ نہایت سبز شاداب گھاس ہے۔ پانی بکثرت ہے۔ میاں معید نے اس باغ میں ایک اچھا گھر بنایا ہے۔ یہاں چند ساعت (لحظہ، لمحہ، گھڑی) ٹھیرے۔

میرا دل خوش ہوگیا۔ میں نے یہاں معید اور مسعودہ کو بھرپور داد دی اور دعائیں دیں۔ میرے سوال کرنے پر بتایا کہ میاں حماد احمد (جناب حکیم عبدالحمید صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے) نے بھی کہیں آس پاس ایک باغ بنایا ہے۔ میرے دل نے کہا: دونوں بھائیوں نے قریب قریب کیوں نہیں بنایا؟ اگر محترم بھائی جان اور میں اس قسم کی کوئی حرکت کرتے تو یقیناً دونوں پہلو بہ پہلو ہوتے۔ بُعد (دوری) کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

باغ کی سیر کرکے ہم واپس ہوئے۔ قدرتی بات ہے، میں نے پوچھا: کیا جناب بھائی جان محترم کو آپ نے یہ جنت دکھائی ہے؟ جواب نفی (انکار) میں تھا۔ میں واقعی حیران ہوا کہ عزیزم نے اپنے والد محترم کو یہ باغِ معید دیکھنے کی دعوت کبھی نہیں دی ہے۔ میرا دل بجھ گیا۔ حیرت بھی ہوئی۔ رنج بھی ہوا۔

محمود سبکتگین

نونہالو! محمود سبکتگین ایک بڑا بادشاہ گزرا ہے۔ بڑی حکومت تھی۔ بڑے کروفر (رعب داب۔ شان شوکت۔ دبدبہ) محمود سبکتگین نے ایک بہت بڑا، اور شان دار باغ بنایا۔ اس باغ میں ایک محل بھی تعمیر کیا۔ پھل پھول کی بہتات (کثرت) تھی۔ عیش و آرام کا اس باغ میں ہر سامان موجود تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ اس دور کا یہ ایک ایسا باغ تھا کہ جو دیکھتا عش عش کر اٹھتا۔ایک دن شہنشاہ محمود سبکتگین نے اپنے بزرگ والدِ محترم سے درخواست کی کہ آپ ذرا زحمت فرمایئے۔ میں نے جو باغ بنایا ہے اسے ملاحظہ فرمایئے۔شہنشاہ کے والد بزگوار تیار ہوگئے۔ محمود ان کو باغ میں لایا۔باغ کا گوشہ گوشہ دکھایا۔ پھر محل میں آکر آرام سے سب بیٹھ گئے۔ نہایت اشتیاق سے محمود نے اپنے عظیم والد سے پوچھا :

عالی جناب! کیا آپ کو یہ باغ پسند آیا؟ مملکت کا یہ سب سے بڑا' سب سے شان دار باغ ہے!

نونہالو!شہنشاہ محمود سبکتگین کے عظیم والد نے باغ کی خوب تعریف کی۔ اپنے بیٹے کی محنت کی داد دی۔ حسنِ ذوق کو سراہا۔ محمود اس تعریف سے پھولا نہ سمایا۔ بے حد خوش ہوا۔ آخر میں شہنشاہ کے والدِ محترم نے ارشاد فرمایا :

محمود! تمھارا بتایا ہوا باغ واقعی خوب ہے' مگر کیا ایسا باغ تمھارے وزیر اور امیر نہیں بناسکتے؟ ہاں ضرور وہ بھی بناسکتے ہیں۔ پھر تم میں اور ان میں کیا فرق ہوا؟

محمود!میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اپنی رعایا کے دلوں میں اپنے حسنِ سلوک کا باغ لگاؤ۔ اس باغ دل کی بہاریں تمھارے ضمیر کو روشن اور مطمئن رکھیں گی!

نونہالو!تم اس واقعہ کوایک بار پھر پڑھو اور اس سے سبق حاصل کرو۔پھر تم فیصلہ کرو کہ تم لوگوں سے محبت کروگے۔ تم اپنے ساتھیوں سے

محبّت کروگے۔ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کروگے۔ تم ان کی مدد کروگے۔ تم ان کے کام آؤگے۔ یہ حُسنِ سلوک ہے۔اس سے تم اپنے دوستوں کے دلوں میں اپنی محبّتوں کے باغ لگاؤگے۔یہ باغ تم کو ہمیشہ خوش رکھیں گے!

ہم دو بھائی!

نونہالو! ہم دونوں بھائی بھی اپنی دولت سے ایسے باغ لگا سکتے تھے۔ ہم اپنے رہنے کے لیے محل بھی بنا سکتے تھے، مگر ہم دونوں بھائیوں نے ہمدرد نگر آباد کیا اور مدینتہ الحکمہ بسایا۔ ہمارے باغ یہ ہیں جہاں ہزاروں نونہال اور نوجوان تربیت اور تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ ہم نے ان کے دلوں میں باغ لگادیے ہیں۔ ہمارے ضمیر مطمئن ہیں اور ہم خود کو دنیا کا خوش قسمت انسان سمجھتے ہیں کہ ہر انسان ہم سے محبّت کرتا ہے۔ ہماری دولت یہ محبّت ہے۔

اب تم مجھے بتاؤ کہ باغ اور محل اچھا ہے، یا لوگوں کی محبت اعلا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ تم یہی فیصلے کروگے کہ محبت سب سے بڑی دولت ہے۔

ایک افواہ!

نونہالو! تم کو یاد ہوگا کہ اس سال کے شروع میں اللہ کے ایک بندے (عربی زبان میں عبد کے معنی بندہ۔اللہ کے معنی اللہ۔ عبداللہ = اللہ کا بندہ) نے افواہ اڑائی تھی کہ: حکیم سعید کو گولی مار کر ہلاک کردیا گیا-- یہ افواہ پورے پاکستان میں منٹوں سیکنڈوں میں پہنچ گئی اور پھر دنیا بھر میں پھیل گئی۔ نونہال بے چین ہوگئے۔ پورے پاکستان میں میری بیٹیاں اور بہنیں اور بزرگ خواتین جانمازوں پر بیٹھ گئیں۔ مسجدوں میں دعائیں ہوئیں۔

نونہالو! اس کی وجہ محبّت ہے۔ اس افواہ پر پاکستان کا ہر انسان بے چین ہوگیا۔ کیوں کہ پاکستان کا ہر انسان مجھ سے محبّت کرتا ہے۔ اس لیے کہ میں نونہالوں سے، نوجوانوں سے، دخترانِ وطن سے اور بزرگوں سے بے پناہ محبت کرتا ہوں!

سلطان سبکتگین

آؤ، ذرا تم کو بادشاہ کا ذرا حال بتادوں۔ تم کو تاریخ بھی تو معلوم ہونی چاہیے۔ تاریخ کے بغیر تربیت اور تعلیم مکمّل نہیں ہو سکتی۔

نونہالو! سامانی خاندان ایک حد تک دولت عباسیہ کا قائم مقام تھا۔ پھر غزنیوں کی حکومت کا سلسلہ شروع ہوا اور خراسان میں ان کی سلطنت قائم ہوئی۔ الپ تگین ایک ترکی غلام تھا۔ امیر اسماعیل کے عہد میں اسے بہت عروج حاصل ہوا اور وہ غزنوی سلسلہ حکومت کا بانی ہوا۔ الپ تگین کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اسحاق تخت نشین ہوا، مگر وہ نااہل تھا کیوں کہ اس کے باپ میں جو دانائی اور حکمت تھی اس سے وہ محروم تھا۔ اس نے علم حاصل کرنے پر توجہ نہیں کی۔ تعلیم سے خود محروم رکھا۔ لوگوں نے اسے تخت سے اتار دیا۔ اصول یہی ہے۔ ایسے حالات کے لیے شیخ سعدی شیرازی نے فرمایا :

میراثِ پدر خواہی علمِ پدر آموز

یعنی باپ کی میراث چاہتے ہو تو باپ کا علم سیکھو۔

اسحاق کی جگہ الپ تگین کے داماد کو ۳۶۷ ہجری میں تخت پر بٹھایا گیا۔ اس کا پورا نام ناصرالدین سبکتگین تھا۔ یہ نوجوان اچھی عادت و خصلت

والا تھا۔ وہ فارس کے آخری بادشاہ یزد جرد کی نسل سے تھا۔ زمانے کی گردش سے تباہ ہو کر ایک سوداگر کے ہاتھ لگا، جس نے اس کو الپ تگین کے ہاتھ فروخت کردیا۔ وہ بہت ہونہار تھا اس لیے اس کو الپ تگین نے اپنی فوج میں رکھ لیا، ترقی دی اور اسے سپہ سالاری کے عہدے تک پہنچادیا۔ اس نے اپنی ذاتی قابلیت اور لیاقت سے غلام ہونے کے باوجود ترقی کی اور غزنوی خاندان کا بادشاہ بن گیا۔ پورے غزنہ پر اس کی حکومت تھی۔ بہت خوش اخلاق اور نیک سیرت بادشاہ تھا۔ مشہور فاتح اور بت شکن بادشاہ محمود غزنوی سبکتگین ہی کا بیٹا تھا۔

نونہالو! جب سبک تگین فوج میں ملازم تھا تو اس کا شمار اعلا درجے کے شہ سواروں میں ہوتا تھا۔

ایک ہرنی کا نونہال

نونہالو! اس زمانے میں ایک بڑا سبق آموز واقعہ ہوا۔ سبکتگین ایک دن جنگل میں شکار کھیلنے گیا۔ وہاں کہیں ایک ہرنی اپنے بچے کے ساتھ چرتی ہوئی نظر آئی۔ ہرنی کے بچے کو پکڑنے کے لیے اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس کی طرف جھپٹا۔ اس بچے کو پکڑ کر اپنی شکار بند میں رکھ لیا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ جب تھوڑی دور نکل آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ اس بچے کی ماں پیچھے پیچھے درد انگیز آواز سے روتی ہوئی آرہی ہے۔ ہرنی کا یہ حال دیکھ کر سبکتگین کا دل بھر آیا اور اس نے وہیں بچے کو چھوڑ دیا۔ یہ دیکھ کر اس کی ماں کی جان میں جان آئی اور خوشی خوشی بچے کو ساتھ لے کر چوکڑیاں بھرتی ہوئی جنگل کی طرف چلی گئی۔ مگر دور تک پیچھے پھر پھر کر دیکھتی جاتی تھی،

گویا زبانِ حال سے سبکتگین کا شکریہ کرتی تھی۔ ہرنی کے دل پر سبکتگین کی رحم کا بہت اثر تھا۔

اسی رات سبکتگین کو خواب میں ایک فرشتہ نظر آیا اور اس نے بشارت دی کہ تُونے جو آج اس جانور کو مصیبت اور درد میں مبتلا دیکھ کر اس پر ترس کھایا اور رحم کیا تو اللہ تعالیٰ کو تمہارا یہ کام بہت پسند آیا۔اس کے انعام میں تم کو غزنہ کی سلطنت ملے گی ،مگر دیکھنا ایسا نہ ہو کہ اس بلند مرتبے پر پہنچنے کے بعد یہ خوبیاں جاتی رہیں۔ جس قدر آج بے زبان جانوروں پر تم نے ترس کھایا اسی طرح بادشاہ بن جانے کے بعد آدمیوں پر رحم کرنا اور اس سے کم ترس مت کھانا جتنا تم کو ہرنی پر آیا۔

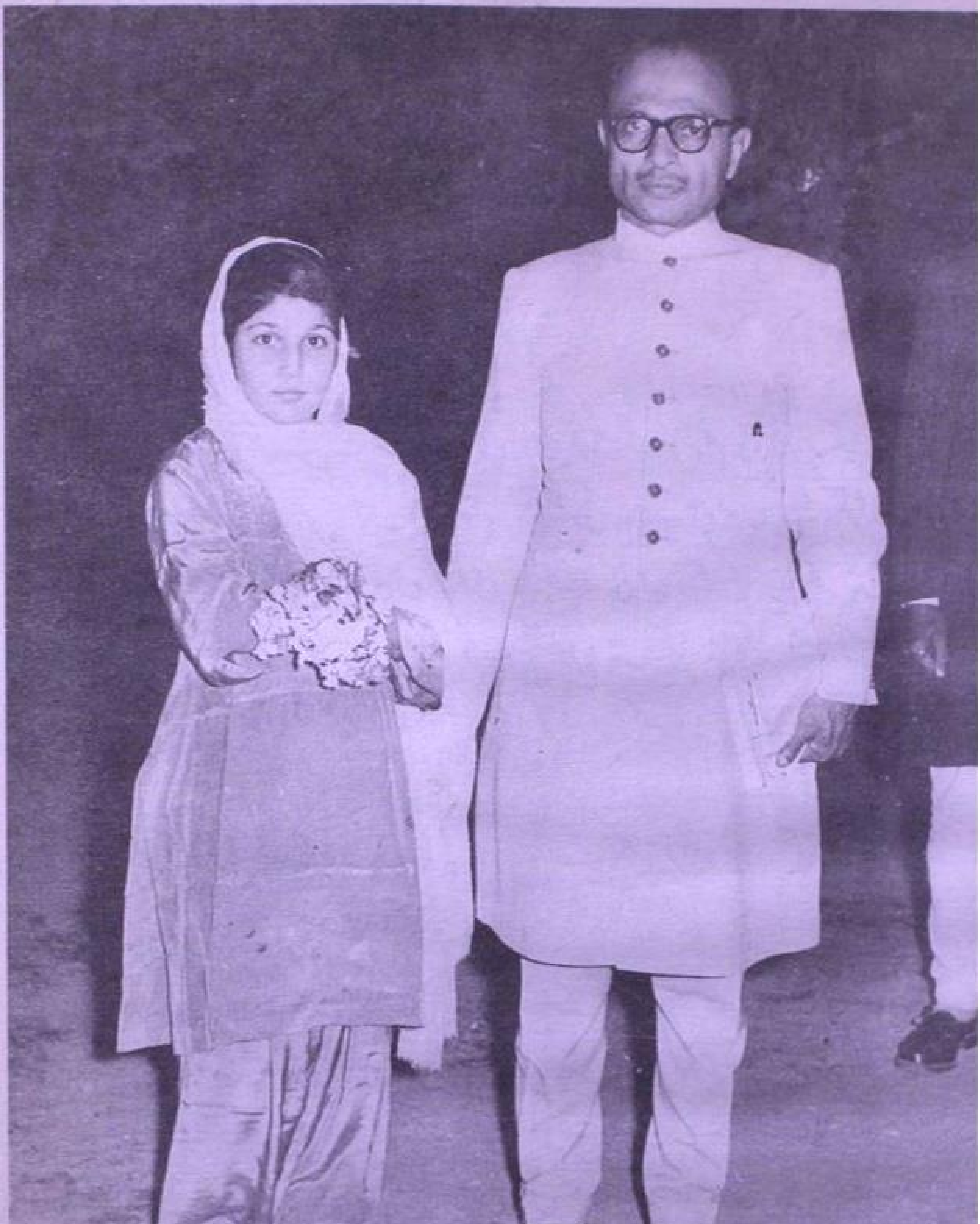
نونہالو! سبکتگین ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہا۔اس کے رحم و انصاف کا یہ واقعہ ساری دنیا میں مشہور ہوا۔ اس رحم کی وجہ سے خواب میں بہت پہلے اس کو بادشاہ کی خبر ملی اور وہ واقعی بادشاہ بنا۔اس کی تمام خوبیوں میں یہی خوبی تھی جس نے اس کو تخت سلطنت تک پہنچایا۔ ہرن کے پیارے نونہال پر رحم کھانے سے بادشاہت مل گئی۔

ہرن کا ایک نونہال میرا دوست!

نونہالو! ایک وقت تھا کہ میں بھی شکار کے لیے جایا کرتا تھا' مگر میرا دل یہ کہتا تھا کہ اگر شکار کرنا ہے تو پھر شکار تو شیر ہی کا کرنا چاہیے۔اس سے کم کی بات تو میرے دل میں آتی ہی نہیں تھی۔میرے شکار کا ایک واقعہ نہایت خوب صورت ہے۔ہماری شکار پارٹی نے ایک بار ایک ہرنی مار گرائی۔ جب گولی اسے لگی تو وہ تڑپ رہی تھی۔میں سب سے پہلے اس کے قریب

پہنچ گیا۔ اس کی تکلیف سے میرا دل بھر آیا! ہرنی نے دم توڑ دیا۔ میرا دل بھی ٹوٹ گیا۔ میں اپنی آنکھیں صاف کرتا ہوا جنگل کے اندر چلا گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ہرنی کا ایک بچہ سہما سمٹا ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ اور بھی سہم گیا۔ غور سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں اس کے قریب جاکر بیٹھ گیا۔ میرے دل نے کہا کہ ضرور یہ اسی ہرنی کا نونہال ہے جس نے ابھی دم توڑا ہے۔

میں نے ہرنی کے بچے کو اپنی گود میں سمیٹ لیا۔ اسے چُسنی سے دودھ پلانے کا انتظام کیا۔ گھر لے آیا۔ میں نے بڑے شوق سے اس بچے کو پالا۔ اب وہ میرا دوست تھا۔ مگر اس کے لمبے لمبے سینگوں سے مجھے ڈر لگتا تھا! آخر ایک دن اس نے جو اپنا سر ہلایا تو میری ٹھوڑی میں سینگ لگا اور خون بہہ نکلا۔ میں نے اس کے ایک تھپڑ رسید کیا۔ پھر اس کے سینگوں پر گول لوہے کی گولیاں پیوست کرادیں تا کہ باریک سینگ کسی کو لگ نہ جائیں۔ یہ ہرن بہت دنوں زندہ رہا۔ آخر سخت بیمار پڑ گیا۔ میں نے اسے ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ میرا دوست تھا!



محترم حکیم عبدالحمید — محترمہ سعدیہ راشد

تیسرا باب

فریڈرک اعظم کی تلوار

پروشیا فتح کرنے کے بعد جب ناپولیوں فریڈرک اعظم کی قبر پر گیا تو دیکھا کہ فریڈرک کی قبر پر اس کی تلوار لٹکی ہوئی ہے۔ ناپولیوں نے تلوار اٹھائی اور اپنے ساتھی ایک جنرل کو دی : اسے پیرس کے عجائب گھر میں رکھوا دینا۔ اس ہدایت پر جنرل نے دبے لفظوں میں کہا : اگر مجھے ایسی باعزت تلوار مل جاتی تو میں اسے کبھی کسی کو نہ دیتا' اپنے پاس فخر کے ساتھ رکھتا۔

نونہالو! ناپولیوں نے جو جواب دیا تم اسے کبھی فراموش نہ کرنا۔ اس نے کہا :

کیا میرے پاس میری اپنی تلوار نہیں ہے؟

جناب حکیم عبدالحمید' میرے جناب بھائی جان محترم نے اپنے عمل سے اور اپنے قول سے مجھے ہمیشہ یہ درس دیا ہے' سبق دیا ہے کہ انسان کی بڑائی' انسان کی شرافت اور اس کی عزت اس کا ذاتی جوہر ہے۔ اس کا خود حاصل کردہ علم اس کی بڑائی ہے۔

فریڈرک کی تلوار ہمارے لیے شرف کی بات نہیں ہو سکتی۔ ہمیں اپنی تلوار کا خود سامان کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنی نیام میں خود اپنی تلوار رکھنی چاہیے۔ مانگے کی تلوار پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔

نونہالو! میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں اور تمھارے دلوں میں یہ نکتہ اتارنا چاہتا ہوں کہ خاندان پر فخر کرنا کوئی فخر نہیں ہے۔ فخر اس پر کرنا چاہیے کہ میں خود کیا ہوں؟ تم خود کیا ہو۔ خاندان پر فخر کا بت دنیا کے جاہلیت کے عہد کی بات ہے' اور یادگار ہے۔ اسلام نے ان بتوں کو توڑ دیا ہے۔ اسلام نے تمام بستیوں کو اور سارے امتیازات کو ختم کرتے وقت اسلام کی نسبت انسان کو عطا کر دی ہے۔

بلالِ حبش اور صہیبِ روم کے بارے میں ہم اس سے زیادہ کیا جانتے ہیں کہ وہ مسلمان تھے۔ حضرت سلمان فارسی سے جب ان کے خاندان کا حال پوچھا تو ان کا جواب تھا: سلمان بن اسلام!

نونہالو! جناب حکیم عبدالحمید نے ہمیشہ اپنی راہ خود نکالی ہے۔ ان کو کسی دوسرے کے راستے پر چلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ انھوں نے ہر میدان میں اپنا راستہ خود بنایا اور مجھے بھی یہی راہ دکھائی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اربابِ ہمّہ (ہمّت کرنے والوں) نے اپنی راہ خود نکالی ہے' اور اپنے قصرِ عظمت و رفعت کی تعمیر صرف اس سامان سے کی ہے جو خود ان کا بنایا ہوا تھا!

حکیم حافظ عبدالمجید

نونہالو! یہ ہمارے والد محترم کا نام ہے۔ ماشاء اللہ حافظِ قرآن تھے۔ تراویح میں بے تکان کئی کئی سیپارے پڑھ دیتے تھے۔ شبینے کی محفل میں دو

رکعت پڑھاتے اور دونوں رکعتوں میں بے تکان پانچ پانچ سیپارے پڑھ جاتے تھے۔ کوئی متشابہ نہیں لگتا تھا۔ کوئی غلطی نہیں ہوتی تھی۔ ہماری والدہ محترمہ رابعہ بیگم فرماتی تھیں : ان کو زندگی بھر اس کا قلق رہا اور دکھ رہا کہ انھوں نے ہمدرد کی بنیاد ڈالتے وقت اپنے خسر سے دو سو روپے قرض لیے تھے۔ میں لاکھ کہتی کہ جب آپ نے رقم واپس کردی تو پھر غم کا ہے کا ہے! وہ ہمیشہ فرماتے : اچھا تھا کہ میں اپنی محنت سے یہ دو سو روپے کماکر کاروبار میں لگاتا۔

نونہالو! حوض قاضی دہلی کی ایک چھوٹی سی چند فیٹ کی دُکان ۲۱ ر مارچ ۱۹۲۲ء کو لال کنواں دہلی پر ایک بڑا ہمدرد دواخانہ بن چکی تھی۔ بارہ سال دن رات کام کرتے رہے۔ دُکان کا فرنیچر بھی خود بنایا۔ نہایت خوش خط تھے۔ سارے بویام پر رنگ روغن خود کیا۔ غرض خالصاً اپنی محنت سے حکیم حافظ عبدالمجید نے ایک بڑا دواخانہ قائم کردیا۔ انھوں نے طب کی دواسازی کو ایک نیا اخلاق دیا۔ ایک نیا رنگ ڈھنگ دیا اور ایک انقلاب برپا کردیا۔ طب کی ترقی کی بنیاد یہ دواسازی تھی اور خالص نباتات کی فراہمی کا تصوّر بلند تھا۔

ہماری والدہ محترمہ!

رابعہ بیگم ہماری محترم والدہ تھیں۔ وہ ایک بہترین بیوی تھیں۔ ایک بہترین ماں تھیں۔ اپنے شوہر کی راحت کا سامان کرتی رہتی تھیں اور اپنی اولاد کی تربیت سے ذرا غافل نہیں ہوتی تھیں۔

نونہالو! آؤ میں تم کو اپنی والدہ محترمہ کی ایک نہایت دل چسپ کہانی سناتا ہوں۔ صبح سے رات گئے تک تمام دن سخت محنت کرکے اور دواؤں کے گاہکوں سے سخت محبّت کرکے جب رات ہمارے والد محترم گھر آتے تو ہماری

والدہ محترمہ ان کا پُرجوش استقبال کرتیں۔ ہاتھ منہ دھوتے، اطمینان سے کھانا کھاتے۔ انھوں نے کبھی یہ خواہش ظاہر نہیں کی کہ کھانے کے لیے مجھے یہ چاہیے، وہ چاہیے۔ کفایت شعار اہلیہ نے جو پکاکر سامنے رکھ دیا انھوں نے نہایت اطمینان سے مزے لے لے کر نوش جان کرلیا۔

دن بھر کی آمدنی جو ہوتی وہ ہمارے والد محترم ہماری والدہ محترمہ کو دے دیتے تھے۔ وہ گن گن کر الگ رکھتی رہتیں۔ آدھی سے زیادہ رقم غائب کردیتیں۔ والد محترم یہ حرکت جانتے تھے، مگر زندگی بھر نہیں پوچھاکہ جو رقم تم غائب کردیتی ہو اس کا کیا بناتی ہو۔ یہ ہمارے والد صاحب کا مزاج تھا۔

نونہالو! ایک دن ہمارے والد صاحب سخت پریشانی کے عالم میں رات گھر آئے۔ اتنے پریشان کہ ہماری والدہ نے محسوس کرلیا۔ خود بھی پریشان ہوئیں۔ نماز عشاء کے بعد دونوں میاں بیوی ساتھ بیٹھے تو بے قرار بیوی نے پوچھا:

آخر ماجرا کیا ہے؟ یہ کیا پریشانی مول لی ہے آج، ذرا بتایئے تو سہی!

ہمارے والد نے فرمایا:

----حوض قاضی کی دُکان اب اس قدر چھوٹی ہوگئی ہے کہ کام نہیں چلتا۔ لال کنویں پر ایک دُکان کا سودا کرلیا ہے، مگر اتنے رُپے نہیں ہیں کہ بات پکی کردوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ بس رات دن پریشان رہتا ہوں----

ہماری والدہ ہمیں بتاتی تھیں کہ:

میں سب ماجرا سنتی رہی۔ سنتی رہی۔ اور جب میں نے واقعی محسوس

کیا کہ پریشانی برحق ہے تو میں نے ان کی مشکل حل کردی۔ ان کو اپنے ساتھ لیا۔ اپنی چارپائی سرکائی۔ پیچھے کی دیوار کا مٹی کا پلاسٹر توڑا۔ ایک پتیلی نکالی۔ اس پتیلی میں ایک ایک پیسہ وہ جُڑا ہوا تھا جو میں نے روزانہ بکری سے نکال کر الگ کرلیا تھا۔ گنا تو دس ہزار چاندی کے رپے نکلے۔ میں نے سب کے سب دے دیے اور اس طرح لال کنویں کی دُکان خرید لی گئی۔

نونہالو! تم نے دیکھا کہ عظیم عورتیں کس طرح بڑے بڑے کام کرتی ہیں۔ حق حلال پر بھروسا کرتی ہیں۔ حلال کی کمائی کی برکتوں کو جانتی ہیں۔ دراصل یہی وہ دس ہزار رپے تھے جن کی وجہ سے آج ہمدرد ہے! ایک بڑا ہمدرد۔ اس کی بنیادوں میں محنت اور محبت ہے۔ حلال مال لگا ہوا ہے!

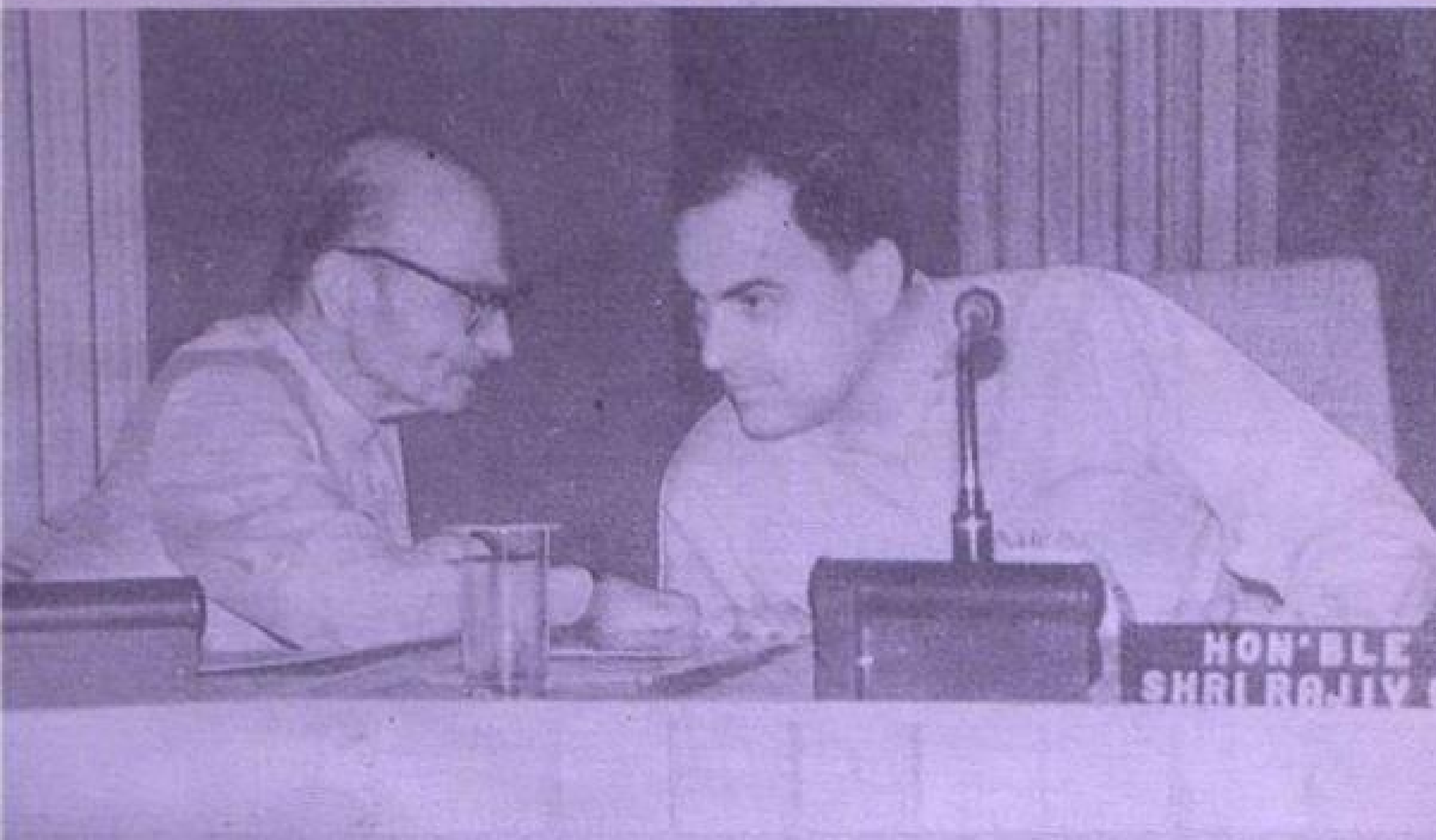
منصوبہ بندی

نونہالو! جناب حکیم عبدالحمید کو اللہ تعالیٰ نے جو دماغ عطا فرمایا ہے وہ نہایت فکرخیز ہے۔ یعنی اس دماغ میں مسائل کو حل کرنے کا نظام نہایت مربوط اور خاص ہے۔ وہ ہر مسئلے پر نہایت گہرائی اور گیرائی کے ساتھ غور کرتے ہیں اور دیانت اور امانت کے ساتھ راستے بتادیتے ہیں۔

بھائی جان کے بارے میں میرا مطالعہ اور تجربہ اور تجزیہ یہ ہے کہ وہ معاملات و مسائل پر انتہائی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ غور کرتے ہیں۔ میں نے ان کو کبھی عجلت سے کوئی کام کرتے یا فکر کو نظرانداز کرتے نہیں دیکھا۔ ایک بار وہ بہرطور اور بہرانداز غوروفکر کے بعد جب فیصلہ کرلیتے ہیں تو پھر ہر قیمت پر اس فیصلے پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی کراتے ہیں۔ ان کے مزاج میں مشورے کا بڑا مقام ہے۔ وہ کسی نہ کسی درجے پر شوریٰ کو



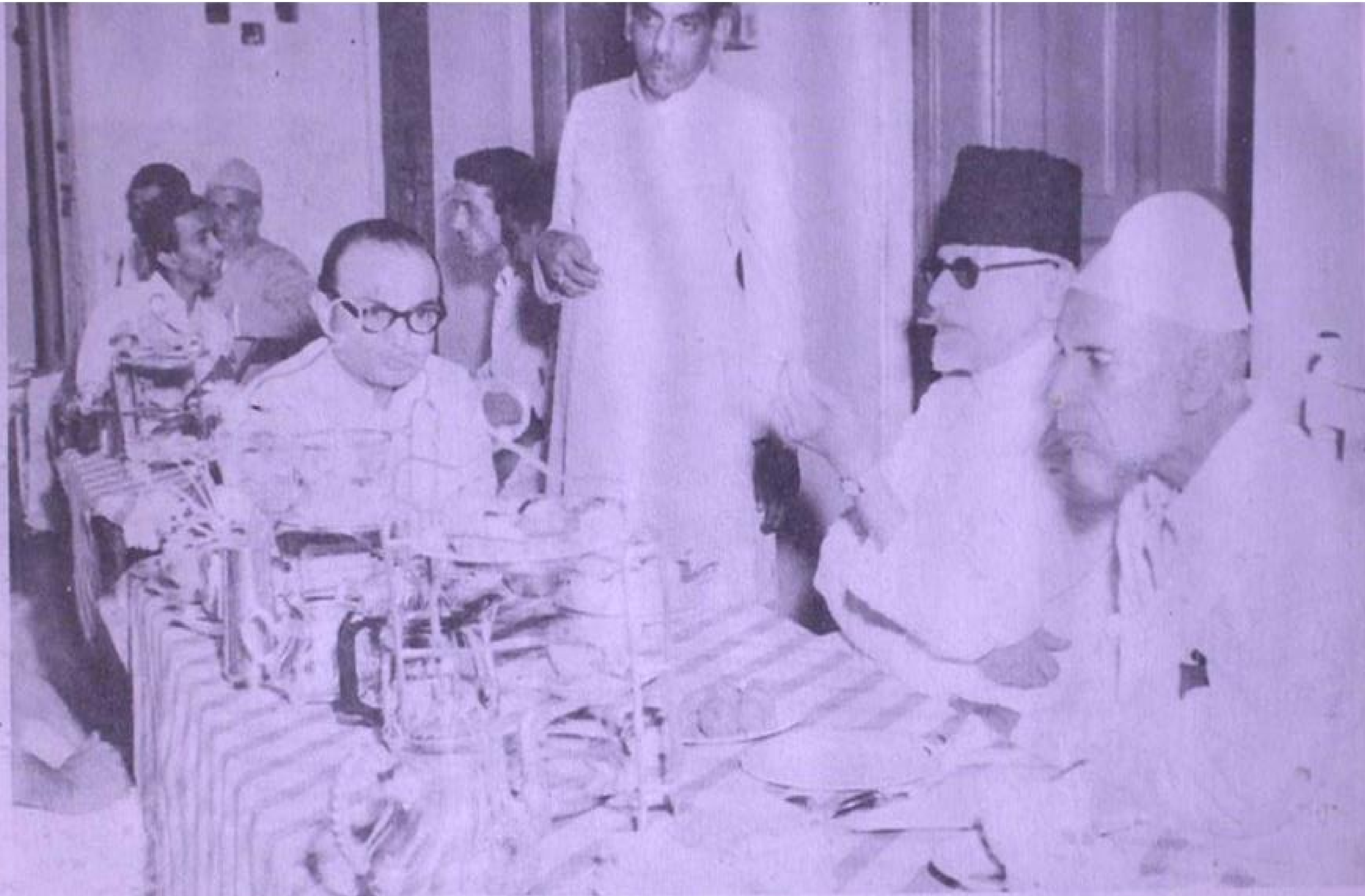
ہندستان کے صدر محترم ڈاکٹر ذاکر حسین، غالب اکیڈمی کا افتتاح کر رہے ہیں۔ دائیں طرف جناب حکیم عبدالحمید اور
بائیں طرف مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر ترگن سین ہیں۔



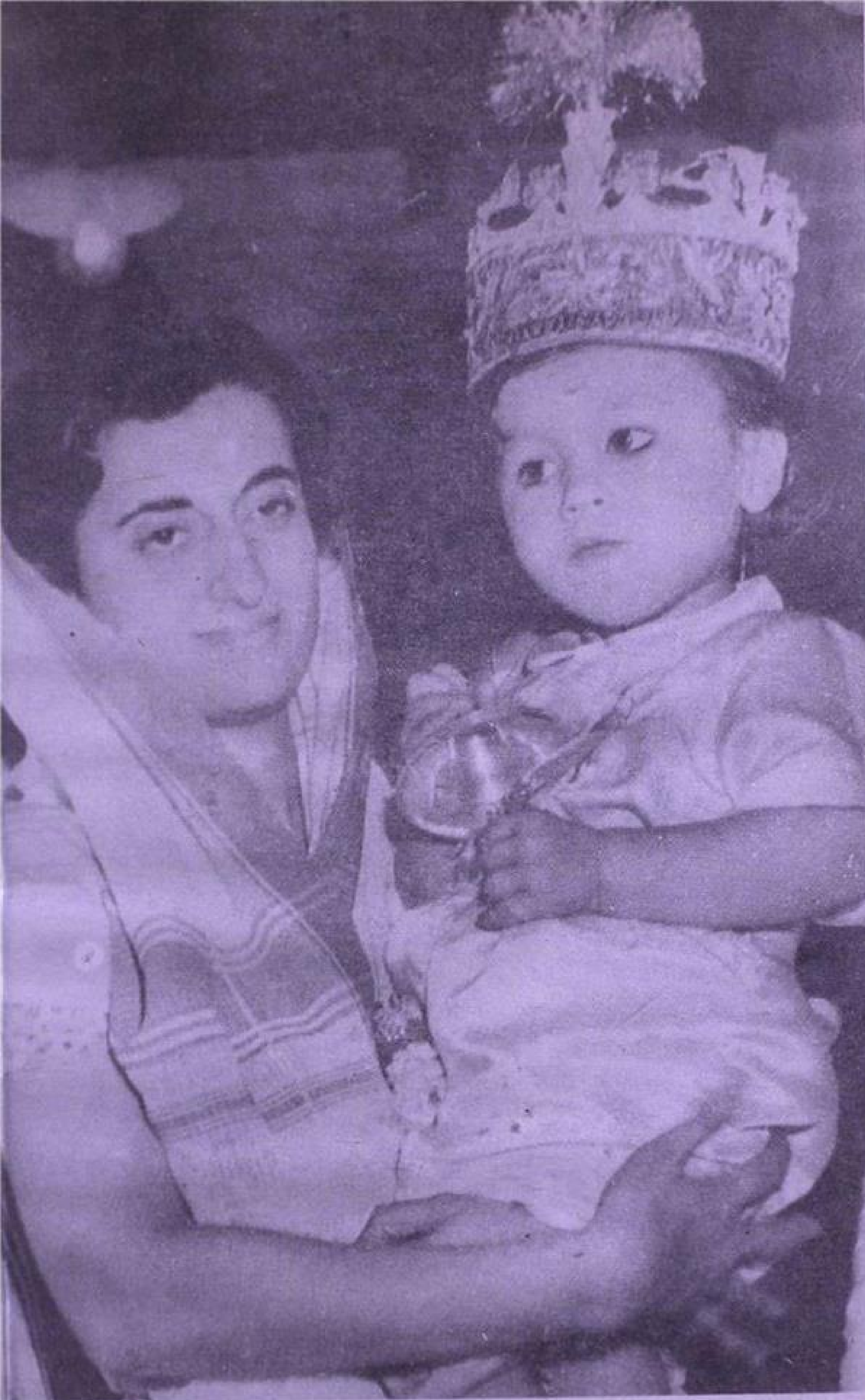
ہمدرد یونیورسٹی دہلی کے افتتاح کے موقع پر جناب عبدالحمید، وزیراعظم ہند جناب راجیو گاندھی



جناب محترم حکیم عبدالحمید، جناب مرارجی ڈیسائی وزیراعظم ہند کے ساتھ



مولانا ابوالکلام آزاد (بائیں سے دوسرے) محترم حکیم عبدالحمید (دائیں)



ہمدرد دہلی کے زیر اہتمام نونہال ہیلتھ شو۔ محترمہ مسز اندرا گاندھی سب سے زیادہ صحت مند نونہال
کے ساتھ۔ ہمدرد منزل میں ۱۹۵۲ء

اہمیت دیتے ہیں اور اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ شوریٰ کی بات سنیں مگر فیصلہ اپنا کریں۔ نہیں، وہ شوریٰ کو اہمیت دے کر اس کے مطابق عمل کرنے کو مزاجاً پسند کرتے ہیں۔

ہمدرد کے لیے ان کی منصوبہ بندیاں ترقیٔ ہمدرد میں مثالی اور بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان میں قناعت کا اصول ہمیشہ کار فرما رہا ہے۔ وہ توسیع کاروبار کو دیانت و امانت کے اصول پر قبول کرتے ہیں۔ میں نے پورے ہوش و حواس کے ساتھ کم از کم سات سال مسلسل ان کے ساتھ کام کیا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمدرد کی ترقی و تعمیر ان کی فکری عظمتوں اور عملی رفعتوں کی رہینِ منّت ہے اور ہم سب ان کے خوشہ چین ہیں۔

نمونۂ عمل

میرے نونہالو! ایک نونہال کو، اور ایک نوجوان کو ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے کوئی نمونہ ہو۔ ایسا نمونہ جس سے وہ اپنے کردار سازی کے عمل کو آراستہ کر سکے۔ اکثر حالات میں یہ نمونہ والدین ہوتے ہیں یا بڑے بھائی پیش کرتے ہیں۔ جس گھر میں والدین اور بڑے بھائی بہن ہوتے ہیں ان کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیے اور اپنے چھوٹوں کے سامنے اپنے عمل، اپنے کردار کا ایسا نمونہ پیش کرنا چاہیے جو چھوٹوں کو بڑا بنا دیں۔

بھائی جان ہمہ وقت فکر و عمل کا ایک نمونہ بن کر میرے سامنے رہے، مگر انھوں نے کبھی کوئی سرزنش نہیں کی۔ آج سوچتا ہوں تو یاد آتا ہے کہ اسی کراچی میں جہاں میں آج رہتا ہوں، حج کو جاتے ہوئے (۱۹۲۷ء) جب ہمارا قافلہ کراچی میں مقیم ہوا تھا، تو میری شرارتوں پر بخار میں مبتلا بھائی جان نے

ایک زور دار طمانچہ رسید کیا تھا' اور میرا پیشاب خطا ہوگیا تھا۔ وہ پہلا اور آخری طمانچہ تھا! مگر تھا بڑا زور دار!

اس کے بعد اصول تربیتِ عمل، عملِ مسلسل اور عملِ صالح ہی رہا۔ میں اس نکتے کو اس لیے اجاگر کر رہا ہوں کہ وہ انسان جو تعمیر ہمدرد میں رات دن مصروف رہا' وہ اپنے بھائی کی تربیت سے بھی لمحہ بھر غافل نہ رہا اور اس تربیت کو فرض اور عبادت سمجھ کر اس کا حق ادا کرتا رہا' اور مسلسل قربانیاں دیتا رہا اور مجھے انسان بناتا رہا۔

میں طبیہ کالج میں داخل ہوا' عمر کم تھی' بمشکل داخلہ ملا۔ ۱۹۳۹ء میں فارغ ہوگیا۔ ۱۹۴۰ء میں بھائی جان نے ہمدرد کی ذمّہ داریاں سونپنی شروع کردیں۔ یاد آیا کہ میں ۱۹۳۶ء سے اپنا روزنامچہ لکھتا رہا تھا۔ اس روزنامچے کو بھائی جان دیکھ کر اشارات دیتے رہے اور اس پر ان کی ہدایات اور رہنمائی آج بھی میرے لیے قیمتی سرمایے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں روزنامچہ اب بھی لکھتا ہوں' اور وہ اب چھپ بھی جاتے ہیں اور اہلِ علم و ادب ان کو پسند کرتے ہیں۔

میں نے ۱۹۳۶ء سے اپنے حالات دیانت داری کے ساتھ لکھے' غلطی کو بھی لکھ دیا' اچھائی بھی ضبطِ تحریر میں لے آیا۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک میں نے ہمدرد کی عظمتوں میں اضافہ کرنے میں بھرپور حصّہ لیا۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے اپنے کاموں میں قبلہ بھائی جان سے روز روز لمحہ لمحہ رہنمائی ملتی تھی۔ میرا ذہن ۱۹۴۱ء میں بالغ ہوگیا تھا اور صنعت و تجارت کے اصول میں نے جان لیے تھے۔ دیانت و اخلاق اس کا راز تھا' جس سے بھائی جان نے کبھی دور

نہ ہونے دیا۔ اصول کی خاطر اور احترام دیانت اور اکرام اخلاق کے لیے انھوں نے بڑی سے بڑی قربانی دینا سکھادیا۔۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۷ء تک ہم دونوں بھائی ہمدرد کو مل کر بہت بلندیوں پر لے گئے۔ ۱۹۴۰ء میں کارکنوں کی تن خواہ ۲۷۰۰ (ستائیس سو) روپے ماہانہ تھی اور ۱۹۴۷ء میں یہ بڑھ کر ایک لاکھ ستائیس ہزار ماہانہ ہوگئی تھی۔ صنعتی اور کاروباری دنیا کے لیے یہ گراف قابلِ غور ہے۔

نمبر۱۰ دریا گنج

نونہالو! یہ ایک نہایت تاریخ والی عمارت ہے۔ اس کوٹھی کو جب ہم نے خریدا تو کرائے دار حضرت مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ یہ ۱۹۳۲ء کی بات ہے۔ حضرت مولانا آزاد ہندستان کی سیاست میں بلند مقام پر فائز تھے اور ہندستان کے سارے لیڈر مولانا آزاد سے مشورہ کرتے تھے۔ مہاتما گاندھی، موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو، سب مولانا کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ حضرت مولانا آزاد سے ہمارے تعلقات اس زمانے سے ان کی زندگی تک برقرار رہے۔

۱۹۴۷ء میں جب نمبر۱۰ گنج ہندو شورش پسندوں اور دہشت گردوں کی زد میں آئی تو حضرت مولانا آزاد، جو اس وقت ہندستان کے وزیرِ تعلیم تھے، تشریف لائے۔(۷ ستمبر ۱۹۴۷ء) اور انھوں نے اس کے تحفّظ کا پورا پورا انتظام کردیا۔

بھائی جان محترم کو نمبر۱۰ دریا گنج سے بے حد محبّت تھی۔ وہ ہر قیمت پر اس کی حفاظت کرنا چاہتے تھے اور جان کی بازی لگا چکے تھے۔ مگر دہلی کے

فسادات اور مسلمانوں پر حملوں نے مجھے زیادہ پریشان کردیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ نمبر ۱۰ دریا گنج کو فروخت کردیا جائے۔ بھائی جان محترم کے لیے یہ سوہانِ روح تھا۔ مگر ان کو میری دل داری مقصود تھی۔

ڈالمیا جین

ڈالمیا جین نمبر ۱۰ دریا گنج کے گاہک بنے۔ بھائی جان کسی طرح نہیں چاہتے تھے کہ یہ مقامِ ہمدرد فروخت ہو، مگر وہ میری رائے اور انکم ٹیکس کے تقاضوں سے بھی پریشان تھے۔ ڈالمیا جین صاحب سے میں بارہا خود ملا۔ "مقام ہمدرد" جس کی مالیت اس وقت دس لاکھ روپے تھی، اس کی قیمت ڈالمیا نے پانچ لاکھ روپے لگائی اور ہماری پریشانیوں اور مجبوریوں سے مزید فائدہ یہ اٹھایا کہ جب لین دین ہوا، تو اٹھارہ ہزار روپے مزید پانچ لاکھ میں سے کاٹ لیے۔

"یہ گئوُدان کی رقم ہے جو بہرحال دینی ہوگی!"

ڈالمیا جین صنعتی میدان میں انتہائی بلندیوں پر فائز تھا، مگر اس واقعے سے اس کی جو اخلاقی تصویر سامنے آتی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

"مقامِ ہمدرد" فروخت ہوگیا اور یوں کوڑیوں کے مول فروخت ہوا! بھائی جان ایک لفظ شکایت اپنی زبان پر نہ لائے اور نہ اپنے شدید غم و رنج کا اظہار کیا۔ مگر میں اس سانحہ پر آج تک شرمندہ و شرمسار ہوں۔ بھائی جان کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ انھوں نے ۱۹۴۷ء سے اب ۱۹۹۵ء تک "مقامِ ہمدرد" کا کبھی کوئی ذکر نہیں کیا!

نونہالو! یہ سیٹھ ڈالمیا جین نہایت گندے ذہن کا انسان تھا۔ پنڈت جواہر لال نہرو کو اس سے سخت نفرت تھی۔ اس نفرت کی وجہ صرف مجھے

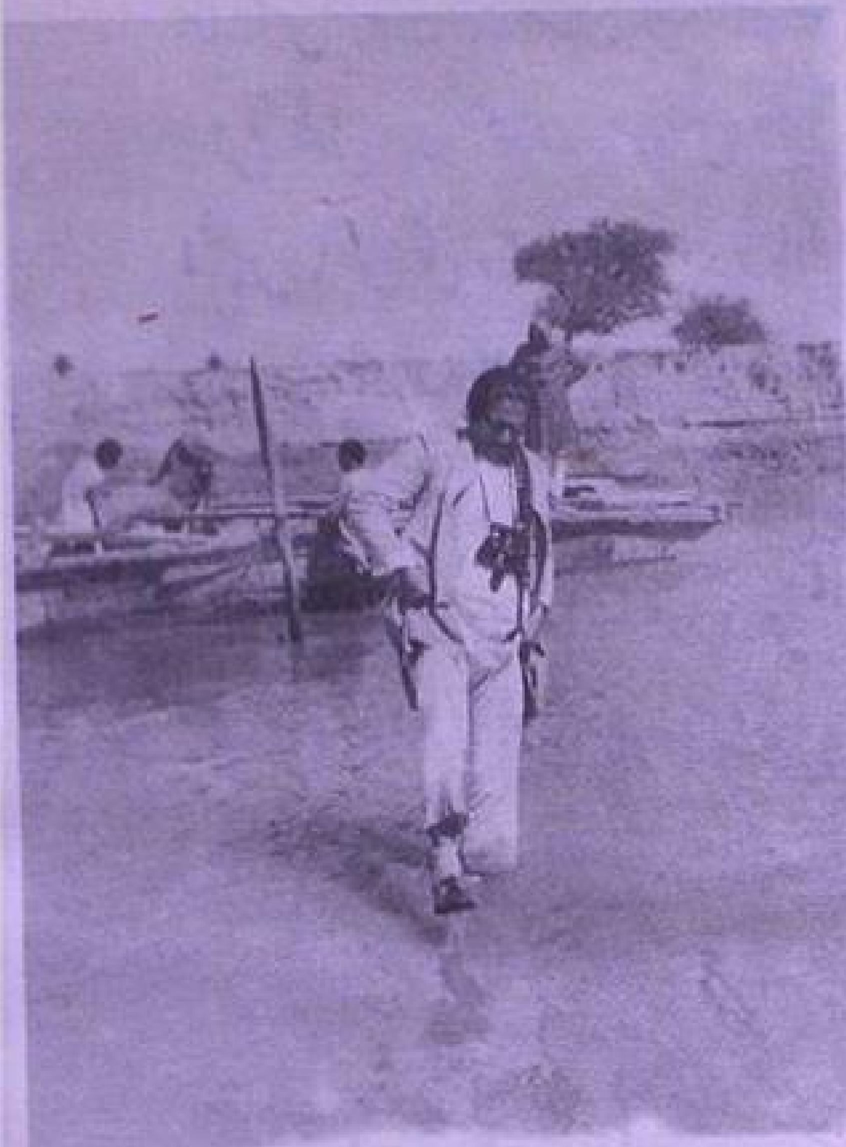
معلوم ہے۔ ایک صبح یہ ہوا کہ ڈالمیا جین ننگا پڑا اپنے جسم کی مالش کرا رہا تھا۔ اس وقت ہندستان کی نہایت عظیم خاتون اور قائداعظم محمد علی جناح کی مداح بلبلِ ہند محترمہ سروجنی نائیڈو ڈالمیا سے ملنے آگئیں۔ بدتمیز ڈالمیا نے انھیں مالش کی حالت میں اندر بلالیا۔

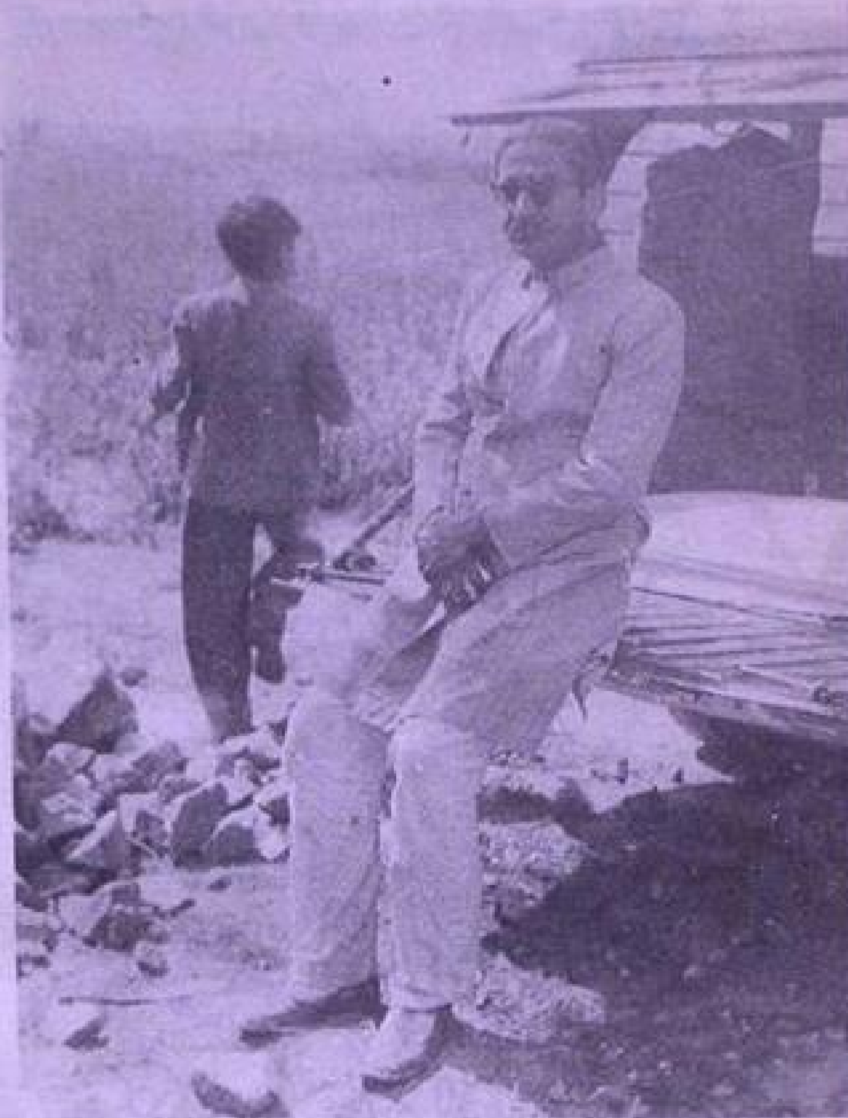
محترمہ سروجنی نائیڈو لاحول پڑھ کر باہر واپس آگئیں اور سیدھی وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے پاس گئیں اور شکایت کردی۔ پنڈت نہرو بھی آگ بگولا ہوگئے۔ انھوں نے سیٹھ ڈالمیا سے اپنی نفرت کا اظہار کئی طرح کیا۔ آخر ڈالمیا جین تباہ ہوگیا۔

مردم سازی

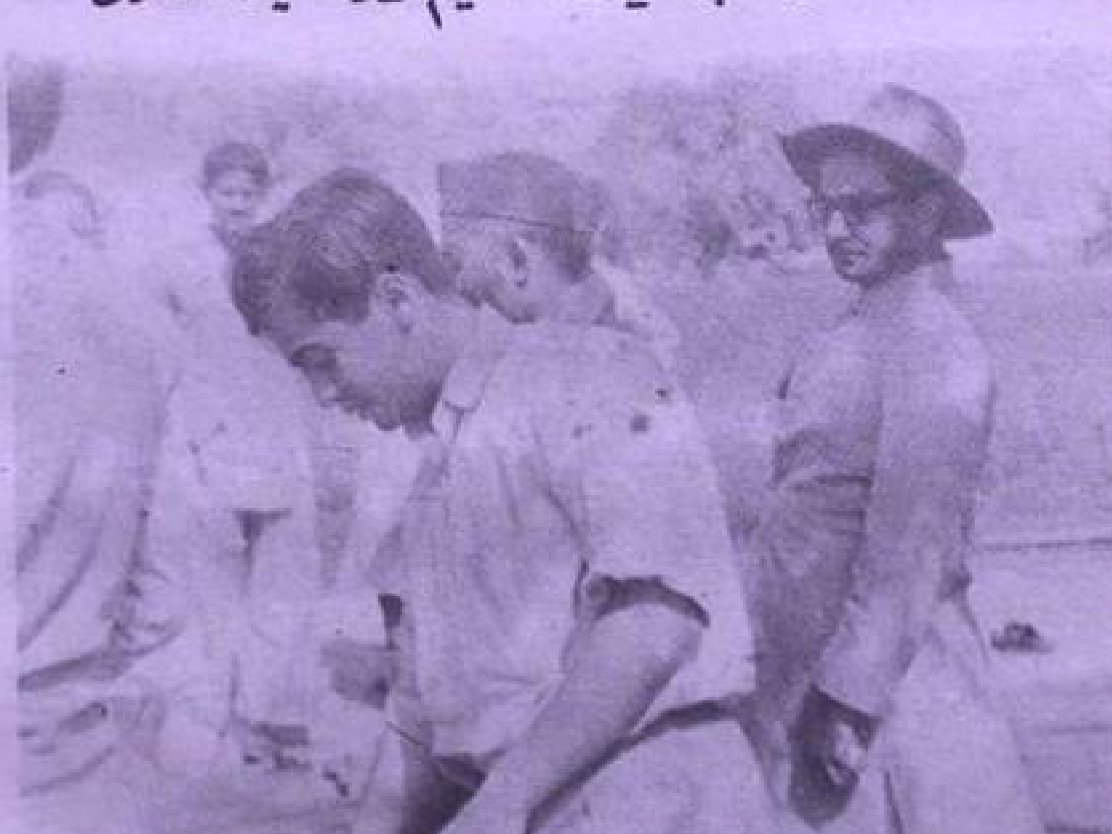
بعض خطے واقعی مردم خیز ہوتے ہیں۔ برِصغیر ہندو پاک میں ایسے مقامات متعدد ہیں۔ ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ دہلی کا حوض قاضی بھی مردم خیز علاقہ ہے، جہاں ہمارے اباجان نے اور ہم نے آنکھیں کھولیں، مگر اس قدرتی عمل کے علاوہ مردم سازی بھی ایک آرٹ اور کمال ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس میدان میں حکیم عبدالحمید کا مقام بہت بلند ہے۔ اس قحط الرجال میں بھی وہ اچھے آدمی پیدا کردیتے ہیں اور بُروں کو اچھا بنادیتے ہیں۔

ایک رمضان میں تراویح کے وقت حوض قاضی پر ایک مسلمان خراٹوں سے سو رہا تھا۔ اس کی یہ "گستاخی" مجھ سے برداشت نہ ہوئی۔ میں نے غصے میں پسی ہوئی لال مرچیں اس کی مونچھوں پر چھڑک دیں جو سانس کے ساتھ آہستہ آہستہ اس کے حلق کے اندر کی ہوائی نالیوں میں پہنچ گئیں۔ یہ ایذا رسانی تھی۔ روزنامچے میں یہ واقعہ میں نے لکھ دیا۔ اس پر جو ہدایت





۱۹۳۱ ماضی کی جھلکیاں ـ حکیم محمد سعید شکاری



ملی' وہ انسانوں کو امراض و تکلیف کی گرفت سے نکالنے کی جِدّوجُہد کے جذبے کی پیداوار کا سبب بن گئی۔ بھائی جان کو اس بات کا کمال حاصل ہے کہ وہ بروں کو اچھا اور ناکارہ لوگوں کو کارآمد بنانے کی پُرخلوص جِدّوجُہد کرتے رہتے ہیں۔

اندازِ تربیت: اندازِ عمل و فکر

بھائی جان کا انداز تربیت خوب ہے۔ وہ زبان عمل سے اپنی بات کہتے ہیں اور عمل پیہم سے لوگوں کو دعوت عمل دیتے ہیں۔ ان کی شخصیت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکالتے جو اخلاق و اخلاص سے کسی درجے میں خارج ہو۔ اخلاق و اخلاص ان کے کردار کی روح ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے ان کو کسی کو بُرا کہتے نہیں سنا۔ اور مجھے معلوم نہیں ہے کہ کوئی ان کو بُرا کہتا ہو۔ شاید کوئی ایک بھی انسان ایسا نہیں جو یہ بتا سکے کہ حکیم عبدالحمید نے کسی کو بُرا کہا' یا کسی کے ساتھ کوئی بُرائی کی۔ مجھے کسی ایسے انسان کی تلاش ہے!

نونہالو! میں ایسے ہزاروں واقعات میں سے بطورِ نمونہ صرف دو واقعات بیان کرتا ہوں۔ ان سے بھائی جان قبلہ کے مزاج و طبیعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

جائیداد کا معاملہ

زر' زمین و زن کا مقام معاشرے میں متعین ہے۔ ان کے بارے میں کہاوتوں اور مثالوں کی بھی کوئی کمی نہیں۔ انقلابات زمانہ جانے کتنے "ز" کے تابع رہتے ہیں اور عروج و زوال کی کتنی داستانیں ان سے متعلق رہی ہیں۔

ایک واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا۔ تیس ہزاری میں کشمیری دروازہ، دہلی سے باہر ایک کوٹھی تھی، اس میں موٹر کار ٹیکسیشن کا دفتر تھا۔ شاید دو لاکھ ۲۷ ہزار میں یہ کوٹھی خریدی گئی اور رجسٹری بھائی جان کے نام ہوگئی۔ وہ اس کے مالک ہوئے۔ ہمارے ایک حبیب نے انتہائی راز داری سے مجھے سمجھایا کہ مالک تو تم بھی ہو، پھر اکیلے حمید کے نام جائیداد کیوں رجسٹری ہوئی!

مجھے اس وقت جائیداد کی اہمیت کا کوئی اندازہ نہ تھا، مگر میں نے یہ بات اپنی آپا (والدہ) سے کہہ دی، بغیر سوچے سمجھے ہوئے کہ اس کا مطلب و مفہوم کیا ہے۔ آپا نے یہ بات بڑی احتیاط سے بھائی جان محترم تک پہنچادی۔ میرے نزدیک یہ بات ختم ہوگئی تھی۔ مگر جلد ہی یہ معلوم ہوا کہ وہ کوٹھی فروخت کردی گئی ہے۔ اس میں کچھ منافع بھی ملا۔ اس کے بعد اس تمام رقم سے بھائی جان نے تمام جائیداد میرے نام سے خریدی اور ساری ملکیت میرے نام کردی۔ اس میں وہ عمارت بھی شامل ہے جس میں پہلے بڑا دواخانہ حکیم بھورے میاں کا تھا اور اب شمع دواخانہ (لال کنواں) ہے! اور ایک حرف مجھ سے نہ کہا۔

اس واقعے کے بعد زمین اور جائیداد سے مجھے ایسی نفرت ہوئی کہ اس طرف اب کبھی دھیان بھی نہیں جاتا اور طبیعت راغب ہی نہیں ہوتی۔ کراچی شہر میں جہاں "ایسوں ویسوں" نے جائیدادیں کھڑی کرلی ہیں، حکیم سعید کی ایک انچ زمین نہیں ہے۔ وہ حکیم سعید جس کے اشارے پر لوگوں کے بڑے بڑے جائز کام ہوجاتے ہیں۔

پابندئ وقت

میں نے بھائی جان محترم کو شدت کے ساتھ پابندِ اوقات دیکھا ہے۔ رات کا کھانا، جب سے میں نے ہوش سنبھالا، وہ نو بجے تناول فرماتے ہیں۔ آج بھی وقت یہی ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میں کراچی میں جب ہوتا ہوں تو ساڑھے آٹھ بجے کھانے کی میز پر آتا ہوں، تاکہ بھائی جان محترم کے ساتھ ہم طعام ہو جاؤں کیوں کہ وہ دہلی میں اس وقت کھانے پر ہوتے ہیں۔ مگر میں کھانے کے معاملے میں پابند نہیں ہوں۔ ویسے میں اوقات کی پابندی اسی شدّت کے ساتھ کرتا ہوں جس شدّت سے بھائی جان محترم کرتے آئے ہیں۔

ایک بار میں بھائی جان کے ساتھ تھانہ بھون گیا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے قدموں میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا۔ ان کے بارے میں سنا تھا کہ وہ اس قدر پابند اوقات ہیں کہ لوگ ان کے آنے جانے پر اپنی گھڑیاں ملا لیتے ہیں۔ میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی۔ پھر جب سے میں عملی زندگی میں داخل ہوا ہوں تو اب میرا حال ہے کہ میری نقل و حرکت پر لوگ واقعی اپنی گھڑیاں درست کر لیتے ہیں۔ یہ بھائی جان محترم کی اعلا تربیت کا ثمرہ ہے، اور میں نے اس سے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

سادگی، سادگئ مزاج

میرے نونہالو! بھائی جان نے جس ماحول میں ہوش کی آنکھ کھولی تھی، وہاں تصنّع تھا نہ بناوٹ۔ انھوں نے ماں اور باپ دونوں کو سادہ پایا، ہر بات میں لباس میں سادگی، رہن سہن میں سادگی، کھانے پینے میں سادگی، غرض



جناب حکیم عبدالحمید، نونہالوں کے ساتھ، ہمدرد ہاؤس میں

بہ انداز اور بہر طور سادگی۔ زندگی کا وہ نمونہ جس کی مثال خود سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھی۔ اباجان مرحوم کے شب و روز میں ذکرِ رسول کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہماری آپا کا منتہائے مقصود اطاعت اللہ و رسولؐ تھا اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ چلتی تھیں۔

اس ماحول نے بھائی جان محترم کے مزاج میں سادگی راسخ کر دی اور وہ شروع ہی سے ایسی زندگی گزار رہے ہیں جس میں شان اور امارت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ان کو ایسے حالات میسر رہے ہیں اور میسر ہیں کہ وہ شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ بھی رہ سکتے تھے۔ ان کے کلام میں کوئی تفاخر نہیں، ان کے لباس میں کوئی بھڑک نہیں دیکھی گئی۔ وہ ہمیشہ زمین پر سوتے ہیں بستر گرمیوں میں چٹائی اور سردیوں میں ہلکی توشک۔ ان کی غذا سادہ، ان کا دفتر معمولی، ان کا اعتکاف خانہ جہاں بیٹھ کر انھوں نے عظیم کارنامے انجام دیے ہیں، کھلی زمین، ایک پرانی میز اور ٹوٹی ہوئی کرسی سے عبارت رہا ہے۔ اگر ہم تاریخِ عالم پر نگاہ ڈالیں اور واقعاتِ عالم پر نظر کریں، تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہوگا کہ جو لوگ اس دنیا میں تعمیری انقلاب لائے ہیں، وہ ہمیشہ بہر اعتبار سادہ رہے ہیں۔ سادگی اور بوریہ نشینی عظیم انقلاباتِ زمانہ کی نقیب رہی ہے۔

بھائی جان نے اپنی پوری زندگی میں اپنے ذاتی حسابات بڑے اہتمام کے ساتھ رکھے ہیں۔ جن لوگوں نے یہ حسابات دیکھے ہیں، انھوں نے حیرت ظاہر کی ہے کہ اس خرچ میں ایک انسان کیسے رہ سکتا ہے!

اور آج کہ انھیں دنیا کی ہر شے میسر ہے، وہ اور زیادہ سادہ ہو گئے ہیں۔ میرے بچپن میں بھی وہ اپنے کپڑے اکثر خود دھو کر پہن لیا کرتے

تھے۔ آج بھی وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے جوتوں پر کبھی کسی دوسرے سے پالش نہیں کرایا ہے۔ وہ گرم پانی کے تکلّف سے سخت جاڑوں میں بھی دور رہتے ہیں اور اب کئی برسوں سے وہ نئے کپڑے بھی نہیں سلوا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس اب جتنے کپڑے ہیں وہ اس وقت تک کے لیے کافی ہیں جب تک وہ حیات ہیں۔ اس راہ میں ان کی ذات حیرت انگیز حد تک ایک نمونے کی حیثیت رکھتی ہے اور اس حد تک کہ میرے لیے اتباع سخت مشکل ہو گیا ہے۔

ایک ہمہ پہلو شخصیت

نونہالو! میں نے اپنی ۷۵ سالہ زندگی میں کئی بڑے بڑے لوگوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور بہت سوں کی داستانِ حیات کا مطالعہ کیا ہے۔ ان میں واقعی بعض شخصیتیں بڑی پہلودار ملی ہیں۔ ان میں حکیم عبدالحمید بھی ہیں، جن کو میں صفِ اول میں شمار کرتا ہوں۔ ان کے فکر و عمل کے میزان مختلف النوع ہیں۔ وہ اپنے معمولات برقرار رکھتے ہوئے بھی، ایسی مختلف و متعدد جہات میں گامزن ملتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ تقریر سے وہ ہمیشہ گھبراتے ہیں، مگر تحریر کے دھنی ہیں۔ قلم اٹھاتے ہیں اور بے تکان لکھتے چلے جاتے ہیں۔

انگریزی وہ بولتے نہیں ہیں، مگر اس قدر اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یقین نہیں آتا۔ انسٹی ٹیوٹ آف دی ہسٹری اوف میڈیسن کی منصوبہ بندی انھوں نے سفر یورپ کے بعد کی، اور اس کو عملی شکل میں کھڑا کر کے دکھا دیا۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ اوف اسلامک اسٹڈیز کا نقشہ انھوں نے بنایا، اور ایک عظیم الشان مرکز تعمیر کر کے پیش کر دیا۔ ذرا کوئی جا کر دیکھے کہ اس بوریہ

ن نے ہمدرد نگر کی صورت میں کیا چیز تعمیر کر کے پیش کردی ہے، جو آج دہلی
ں سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن گئی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہمدرد کے مختلف دفتروں میں مشغول ہیں اور
حتی و تجارتی ہدایات دے رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے مطب میں
یضوں کی شفا کا بھی سامان کر رہے ہیں۔ اس شخص کو ذرا دیر بعد دیکھیے تو
ں کرسی میز پر بیٹھا لائبریری کی پلاننگ کر رہا ہے۔ ہمدرد نگر میں لائبریری کی
ر شدہ عمارت کو لوگ حیرت سے دیکھنے آتے ہیں۔ ہمدرد نگر کی پوری
نگ حکیم عبدالحمید صاحب کے ذہن رسا کا شاہکار ہے۔ مریضوں کی خدمت
ں وہ ۱۹۲۷ء سے منہمک ہیں۔ لاکھوں مریضوں کے درد کی دوا بنے ہیں۔
ج وہ اپنے تبحرِ علمی اور اپنی صداقت کی بنا پر ہندستان کے طبیب اول شمار
تے ہیں۔ وہ ایوانِ صدر میں بھی ہوتے ہیں اور ہم نے انھیں غریبوں کی
نپڑیوں میں بھی دیکھا ہے۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی وہ سرگرم ہیں اور اشاعتِ کُتب
جرائد کے میدان بھی وہ سر کرتے ملتے ہیں۔ ان کی زندگی کے صبح و شام
ان کی راتیں تعمیر میں صرف ہوتی ہیں۔ ان کا اب دوسرا کوئی مشغلہ
ں۔ بایں ہمہ وہ احباب کے لیے بھی وقت نکالتے ہیں۔ مہمانوں اور عزیز و
رب کی خاطر داریاں بھی کرتے ہیں۔ وہ مختلف اداروں سے تعاون بھی
تے ہیں، اور ان کے الجھے ہوئے مسائل بھی حل کرتے ہیں۔

ت کا خیال

میرے عظیم نونہالو!

میری ایک بات تم یاد رکھنا۔ صحت انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا تحفہ ہے۔ سب سے بڑا انعام ہے۔ اس تحفے کی اور اس انعام کی ہمیشہ قدر کرنا۔ صحت کو ضائع نہ کرنا ورنہ تم دنیا کا اور دین کا کوئی کام نہیں کرسکوگے۔ تعلیم بھی صحت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

نونہالو! صحت کے بارے میں میرے بھائی جان محترم نے ناممکن التقلید مثالیں قائم کی ہیں۔ یعنی ایسی سخت مثالیں جن کی تقلید ناممکن ہے۔ وہ ہمیشہ سے صبح میلوں پیدل ٹہلنے کے عادی ہیں۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ان کو نمازِ فجر سے پہلے اٹھتے دیکھا ہے۔ آج بھی وہ اسی اصول پر کاربند ہیں۔ آندھی ہو، مینھ برسے، طوفان آئے، صبح کا ان کا ٹہلنا ناغہ نہیں ہو سکتا۔ اب بھی کہ وہ اٹھاسی کے قریب ہیں، مگر صبح کی سیر کا معمول ان کا جاری ہے۔

دہی ان کی مرغوب غذا ہے۔ دودھ ان کو تکلیف دیتا ہے۔ وہ عرصہ دراز سے گرمی جاڑے صبح ناشتے میں دہی کی لسّی پیتے ہیں۔ آج بھی ان کا معمول یہی ہے۔ پھلوں میں ان کا کوئی انتخاب نہیں ہے۔ ناشتے میں کیلا وہ نوش جان کرتے ہیں۔ رات کو اگر سنگترہ، سیب مل جائے فبہا، ورنہ وہ طلب نہیں کرتے۔ برسات میں امرود کے کچالو ان کو پسند ہیں۔ صبح اٹھتے ہی آبِ لیموں تازہ پانی میں ملا کر نوش کرتے ہیں اور جب میں دہلی آکر ان کے ساتھ رہتا ہوں، صبح ایک گلاس آبِ لیموں مجھے سرہانے رکھا مل جاتا ہے۔ یہ ان کا معمول ہے۔ پُرخوری کرتے میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا۔ بڑے اعتدال سے غذا کھاتے ہیں، اور غذا کی وجہ سے کبھی بیمار نہیں پڑتے۔ اوّل تو اللہ تعالیٰ

کا کرم ہے کہ ان کو کوئی علالت نہیں گھیرتی۔ البتہ ملیریا کا وہ کئی بار شدّت
سے شکار ہوئے اور اس نے انھیں کمزور کر ڈالا۔ ان کی صحت عموماً اچھی
رہی ہے۔ وزن پر ان کو قابو رہا ہے۔ عرصہ دراز سے وہ ۱۴۰ پونڈ سے آگے
نہیں بڑھے۔ روغنی غذاؤں سے حتی الامکان پرہیز کرتے ہیں۔ صبح ناشتہ اور
رات کو ایک ہلکا کھانا ان کی کُل غذا ہے۔ درمیان میں وہ ہر چیز سے پرہیز
کرتے ہیں۔ چائے یا کافی، سال میں دو چار بار کسی کی خاطر سے یا شوقیہ پی لیتے
ہیں۔ ہوا بند مشروبات سے بھی وہ پرہیز کرتے ہیں۔ زرد رنگ کے مشروبات
ان کو پسند نہیں ہیں۔ بعض غذاؤں کے تجربات بھی خود اپنے پر کرتے ہیں اور
ان تجربات سے اپنے زیرِ علاج مریضوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان دنوں وہ
ناشتے میں دہی کی لسی کے ساتھ پالک کا ساگ، لہسن اور انڈے کا مرکب
استعمال کرتے ہیں۔ ان سے قدرتی فولاد ان کو میسر آجاتا ہے اور جسم میں
امراض کے خلاف تحفظ (Immunity) پیدا ہوتا ہے۔ ورزش ان کا معمول
ہے۔ وہ صبح تیز قدمی کے ساتھ کئی میل پیدل چلنے کو بہترین ورزش قرار
دیتے ہیں۔ جب تک میں دہلی میں رہا، میں نے اس معمول میں ان کا ساتھ
دیا۔ کوچہ کاشغری، بازار سیتا رام سے ترکمان دروازہ پھر دہلی دروازہ اور پھر
کوٹلہ فیروز شاہ سے گزرتے ہوئے پرانے قلعہ پیدل پہنچ گئے۔ ایک عرصے
تک یہ معمول رہا۔ ایک دور آیا کہ ہر ہفتہ دریا گنج دہلی سے مہرولی تک پیدل
مارچ کرتے رہے۔ اس مارچ میں ایک بار بھائی نیاب الدین شریک
ہوگئے، بے چارے کھیل گئے!

اس کھیلنے پر چند باتیں یاد آتی ہیں۔



جناب کرنل زیدی (سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) حکیم محمد سعید۔ جناب محمد یونس خاں   جناب خسرو صاحب (سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

بہت ابتدائی دور تھا' شاید ۱۹۳۱ء کی بات ہے۔ بھائی جان کو ورزش کی خاطر تیراکی کا شوق ہوا۔ ایک بار وہ اوکھلا سے تیر کر جمنا پر نکل آئے۔ بعد میں یہ شوق اگر سین کی باؤلی تک محدود ہوا اور ایک حادثے پر ختم ہوگیا۔ حادثہ یوں ہوا کہ تیراکی کے بعد دور اوپر سیڑھیوں پر حاجی مفروضہ کھڑے تھے (یہ منشی محمد احمد خوش نویس کا دوستانہ نام تھا۔) نیچے موسیو کھڑے تھے (یہ جناب حکیم اقبال حسین کا دوستانہ نام تھا) حاجی مفروضہ صاحب کے ہاتھ میں بدنی تھی مٹی کی' پینیدی میں کائی جمی ہوئی۔ حاجی صاحب بولے: "موسیو لپکو بدنی۔" موسیو ٹھیرے کھلاڑی' بولے: "آنے دو" حاجی صاحب نے بدنی پھینک دی اور دور نیچے موسیو نے لپکی۔ لپکتے تو کیا بدنی پھسلی اور ٹھیک ان کے گھٹنے پر جا لگی۔ خونم خون ہوگئے۔ کئی ٹانکے لگے۔ موسیو اقبال نے کراچی میں حکیم محمد اقبال حسین ایم اے کے نام سے بڑی نیک نامی پائی۔ گرمیٔ قلم اور پُرجوش تقریریں ان کی یادگار ہیں۔ اب وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ مرتے دم تک ان کے گھٹنے کا درد نہ گیا۔ اب نہ حاجی مفروضہ ہیں' نہ موسیو اقبال اور نہ حکیم مولوی محمد ظہیر علی سہوانی اور نہ قاضی مشرف علی۔ سب اللہ کو پیارے ہوئے۔ رہے نام اللہ کا۔

ایک بار پروگرام بنا کہ شملہ سے مسوری تک پیدل جانا چاہیے۔ موسیو اقبال' بھائی نیاب الدین اور بھائی حکیم محمد یحیٰ صاحب نے بھائی جان کا ساتھ دیا۔ گیارہ دن میں یہ دل چسپ ہائکنگ ختم ہوئی۔ ہمدرد صحت میں موسیو اقبال نے اس سفر کی دل چسپ داستان لکھی تھی۔

ایک بار موٹر سائیکل کا شوق ہوا۔ کئی سو روپے کی پرانی خریدی گئی۔

پرانی مشین، اس نے تنگ کیا۔ ایک شام ہمدرد کو ڈبیاں فروخت کرنے والا آیا۔ اس سے ذکر ہوا کہ موٹر سائیکل برائے فروخت ہے۔ اس نے اونے پونے لگائے۔ بھائی جان نے کہا: "بھائی تم بلاقیمت ہی لے جاؤ۔"

ڈبیوں والا اٹھا اور بڑے اطمینان سے موٹر سائیکل لے، یہ جا وہ جا! وہ ڈبیہ والا مرتے دم تک ہمدرد کو مال فراہم کرتا رہا، موٹر سائیکل کا اس نے کوئی ذکر کیا نہ میرے بھائی جان نے اس سے پوچھا۔ نہ یاد دلایا!

پہلا ہوائی سفر

جہاں تک مجھے یاد ہے ۱۹۳۳ء کی بات ہے کہ بھائی جان نے زندگی کا پہلا ہوائی سفر کیا تھا، دہلی سے الہ آباد۔ مجھے خوب یاد ہے کہ آپا مرحومہ اس سفر سے سخت پریشان تھیں۔ ان کی مخالفت جب کارگر نہ ہوئی تو انھوں نے دست دعا دراز کیا۔ شاید صبح سات بجے ہوائی کمپنی کی موٹر بازار سیتا رام کوچہ کاشغری کے سامنے ڈاکٹر مترا صاحب کے مطب کے مقابل آکر رکی۔ بھائی جان نے آپا سے اجازت لی اور روانہ ہوگئے۔ میں باہر تک ان کو چھوڑنے آیا۔ یہ وہ دور تھا جب ہندستان میں ہوائی سفر بہت کم تھا۔ میں انھیں حسرت سے دیکھتا رہ گیا۔ حسرت یہ تھی کہ میں ان کے ساتھ کیوں نہیں گیا ہوں۔ میں اپنے اس عزم کو فراموش نہیں کرسکتا، جو میں نے اس وقت کیا تھا: بڑا ہوکر روز ہوائی جہاز میں بیٹھا کروں گا!

سفرِ جنوب مشرقی ایشیا

۱۹۵۲ء میں ہم دونوں بھائیوں نے جنوب مشرقی ایشیا کا سفر ایک ساتھ کیا۔ برکات احمد صاحب بھی ہمراہ تھے۔ اس سفر کا مقصد سیاحت زیادہ تھا۔



دو پیارے بھائی ـ حکیم محمد سعید اور محترم حکیم عبدالحمید میڈرڈ (اسپین) ایرپورٹ ۱۹۵۶ء

مشرقی پاکستان، رنگون، بنکاک، انڈونیشیا کے متعدد شہر۔ کوئی دو مہینے ہم نے دل کھول کر سفر کیا۔ اس مطالعاتی سفر میں بڑے دل چسپ تجربے ہوئے، جو کم از کم میری آئندہ زندگی کے سفروں سے کم مفید اور رہنما نہ رہے۔

سفرِ یورپ

۱۹۵۶ء میں ہم دونوں نے یورپ کا سفر ایک ساتھ کیا۔ اس سفر میں بھی ڈاکٹر برکات احمد ہم سفر رہے۔ برکات صاحب کی حیثیت ایک دوست کی تھی، مگر وہ مسائل سفر حل کرنے میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ ترکی، انگلستان، فرانس، اسپین، جرمنی، ہالینڈ، سوئزرلینڈ، یہ کوئی ڈھائی ماہ کا سفر سیاحت سے زیادہ مطالعاتی تھا۔ قطعی طور پر یہ دیکھنا مقصود تھا کہ طب اور سائنس کے میدانوں میں مغرب نے کیا پیش رفت کی ہے! دواسازی میں کیا انقلابی کام ہو رہے ہیں۔ علمی سطح پر اہلِ علم و ادب کس انداز سے مصروفِ کار ہیں۔ عبادت گاہوں کا مقام یورپ میں کیا ہے، وغیرہ۔ یہ کثیر المقاصد سفر بحیثیت مجموعی بڑا کار آمد رہا۔ ہندستان میں بھائی جان نے اس سفر کے مطالعوں کو اپنے بہت سے عزائم کے لیے رہنما بنایا اور پاکستان میں میرے لیے کئی اعتبارات سے یہ سفر مفید ثابت ہوا۔

نونہالو! میرا مشاہدہ یہ ہے کہ بھائی جان نے اپنا وقت کبھی بے مصرف نہیں گزارا۔ ان کا ذوقِ سیاحت قدیم ہے، مگر سیاحت کو انھوں نے پوری مقصدیت کے ساتھ اختیار کیا۔ سیاحت سے طبعی مناسبت ہونے کے باوجود انھیں سیر و سیاحت کے کافی مواقع نہیں ملے۔ میرا تاثر یہ رہا کہ بھائی جان کو اس قسم کے مقصدی سفر جاری رکھنا چاہیے تھے۔ تاہم انھوں نے پخنت بیٹھ

کر ایسے بہت سے تعمیری کام کر لیے جو ان کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔ میں ان کارناموں کو فخر و رشک سے دیکھتا ہوں۔ میرے لیے باعث مسرت و اطمینان یہ امر ہے کہ میں ان اقدامات میں شریکِ مشورہ رہا ہوں اور یہ کہ ان خدمات کے لیے میں نے اپنے آپ کو اہلیت کے ساتھ تیار کر لیا۔ میرے تعمیری اقدامات کی بنیاد بھائی جان کے تجربات' اقدامات اور رہنمائی ہیں۔

بھائی جان کے برعکس میں نے گویا سفروں پر کمر باندھ لی ہے۔ ۱۹۷۰ء سے 1995 تک میں نے دنیا کے اکثر ممالک کا مطالعاتی سفر کیا ہے۔ ان سفروں کی تعداد اتنی ہے کہ میں خود بھی یاد نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے ان سفروں میں خصوصیت کے ساتھ سائنس کے میدانوں میں شخصی روابط پیدا کیے ہیں اور ان کی تعداد چار ہزار سے زیادہ ہے۔ میرے اکثر و بیشتر سفر طب کے لیے ہوئے ہیں' جس کے احیا و ترقی کی ذمّہ داری ۱۹۳۵ء میں بھائی جان نے مجھے سونپ دی تھی۔ اور میں نے اس ذمّہ داری کو انتہائی حد تک پورا کر کے بھائی جان کے سامنے سُرخروئی حاصل کرنے کا فخر حاصل کیا ہے۔ یورپ میں طب کو تسلیم کرانے اور موضوع فکر بنانے اور آخر کار عالمی ادارۂ صحت سے طب کو تسلیم کرانے میں' میں نے دس سال مسلسل جِدّوجُہد کی ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے فنِ طب اور صحتِ عالم کے لیے ایسا کام کر دیا ہے جس کے اثرات دور رس ہونگے۔ انشاء اللہ العزیز الحکیم۔

زندگی کے تانے بانے

نونہالو! جو لوگ ہم دونوں بھائیوں کے قریب رہے ہیں' وہ خوب جانتے ہیں کہ ہماری زندگیاں اور ان کے لمحات کے تانے بانے کس طرح

ایک دوسرے سے پیوست ہیں کہ ان دو کو الگ کر کے حقیقت نگاری ممکن نہیں ہے۔ میں یہ رائے رکھتاہوں اور برملا اس کا اظہار کرتا ہوں کہ اس دور میں حکیم عبدالحمید جیسا انسان پانا ممکن نہیں ہے۔میں نے اپنی اس بے ساختہ تحریر میں ضرور کسی جگہ لکھا ہے کہ برصغیرپاک و ہند میں کوئی انسان ایسا چاہیے کہ جو حکیم عبدالحمید کے کیریکٹر کی کسی ایک خرابی کی نشاندہی تو کرے' اور ان کے اخلاق و کردار کے کسی کمزور پہلو پر تو انگلی رکھ دے! میں جانتاہوں کہ اس چیلنج کو قبول کرنے والا اس سرزمین پر کوئی نہیں ہے! بالکل اسی انداز میں اس حقیقت کا اظہار کرکے بھی میں اپنی حدود سے شاید تجاوز نہیں کروں گا کہ ہم جیسے شیروشکر اورایک جان دو قالب بھائی بھی تلاش کرنے پر نہیں ملیں گے۔اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے بھی بقول حضرت سائل دہلوی "ہاتھی کا کلیجہ اور شیر کا دل چاہیے۔" از اول تا ایں دم ہم دونوں بھائیوں کے فکروعمل میں اس درجہ وحدت و اشتراک رہا ہے کہ "حمیدیت" اور "سعیدیت" کو سموئے بغیر بات بن ہی نہیں سکتی۔ بھائی بھائی کے باہمی تعلقات کے بارے میں خلوص و انس کے باب میں علماء و صلحا نے اور عقلا و فضلا نے اب تک جو لکھا ہے اس کی ہر تعریف ہم دونوں بھائیوں پر صادق آتی ہے اورشاید ہم کسی بھی تعریف سے باہر نہیں ہیں۔

میں تو یہاں تک بھی کہنے کو تیار ہوں کہ اگر کسی محقق کو اخوت کے موضوع پر تحقیق کی فرصت ملی اور اس نے ہم دونوں بھائیوں کو موضوعِ فکر نہ بنایا تو اس کی تحقیق معیارِ تحقیق پر شاید ہی پوری اور صحیح اتر سکے۔

کمالِ اخلاق

میرے عظیم نونہالو! اچھا اخلاق سب سے بڑی طاقت ہے۔ بلند اخلاق انسان کو بلندیاں دیتا ہے۔ خوش اخلاق انسان ہمیشہ خوش رہتا ہے اور دوسروں کو خوش کرتا اور رکھتا ہے۔ اخلاق انسان کا جوہر ہے۔ نونہالو! اس جوہر کی ہمیشہ حفاظت کرنا اور ہاں محبت اور حُسنِ معاشرت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک انسان اپنی اخلاقی خوبیوں سے پوری سوسائٹی کو فائدہ پہنچائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم سب لوگوں میں سے سعادت مند وہ ہے جو نیکوں کی صحبت میں رہے، اور وہ شخص ہے جس نے لوگوں پر حکومت کی، مگر ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ جب گفتگو کی تو جھوٹ نہیں بولا، وعدہ کیا تو وعدہ خلافی نہیں کی۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کا اخلاق درجہ کمال کو پہنچ گیا اور اس کی عدالت اور اخوت ثابت ہو گئی۔"

واقعہ یہ ہے کہ نوع بشری کی اجتماعی تاریخ میں جن کے نام جلی حروف میں لکھے گئے ہیں، وہ سب کے سب پاکیزہ اخلاق اور روحانی خوبیوں کے حامل تھے۔ انسانی معاشرے کا یہ قول فیصل ہے اور اس میں کبھی کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ غور کرنے کا ایک انداز یہ ہے کہ سارے لوگ انسانی حیثیت سے بالکل برابر ہوتے ہیں، جو چیزیں ان میں درجہ بندی کرتی ہیں وہ عقل، فکر، اور اخلاق ہیں۔ فرد کو جماعت میں جو چیز ممتاز بناتی ہے، وہ اس کی شخصیت ہی ہوتی ہے۔ بعض لوگ تو اس کی تاثیر کو سحر سے بھی تعبیر کرتے ہیں، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شخصیت کی تعمیر اخلاق کے بغیر ممکن ہی نہیں، کیونکہ اخلاقی

فضیلت اور بڑائی ہی کا دوسرا نام شخصیت ہے۔ میں نے جناب حکیم عبدالحمید صاحب کی زندگی کو ہر انداز سے دیکھا ہے اور کوئی انسان یہ دعوا نہیں کرسکتا کہ اس نے مجھ سے زیادہ قریب ہوکر ان کو دیکھا ہے۔ اخلاقیات کے باب میں ان کا اندازِ فکر بے حد واضح ہے اور یہ کہنا حقیقت ہے کہ ان کی زندگی اور اس زندگی کا ہر لمحہ اخلاق سے عبارت ہے۔ ان کے فکروعمل کا ہر لمحہ اور ہر لمحے کی اساس و بنیاد اخلاق پر ہے۔ ان کا اندازِ فکر یہ ہے کہ اس ہنگامہ خیز زندگی میں سکونِ قلب کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اس ہتھیار کے بغیر جو شخص کارزارِ حیات میں قدم رکھتا ہے، اس کا انجام شکست کے سوا اور کچھ نہیں۔ زندگی کا بوجھ جتنا بڑھتا جائے گا، سکونِ قلب کی ضرورت بھی اتنی ہی بڑھتی جائے گی۔ ہم اگر اضطراب اور پریشانی سے نجات حاصل کرنے کی تدبیروں پر سنجیدگی سے غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ خوش اخلاقی کے سوائے کوئی اور وسیلہ نہیں۔ یہی خوش اخلاقی ہمیشہ دلی طمانیت کا اصل سرچشمہ رہی ہے۔

نونہالو! دنیا میں قدم رکھتے ہی انسان کو بہت سی ضرورتیں گھیرلیتی ہیں۔ بعض ضرورتیں ایسی ہیں جو نظامِ زندگی کو باقی رکھنے کے لیے ناگزیر ہیں۔ مثلاً روٹی، کپڑا اور مکان۔ ان کا شمار ایسی فطری ضرورتوں میں ہے جن پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جاسکتی۔ لیکن ضرورتِ انسانی کی دوسری قسمیں بھی ہیں جو غیرضروری ہیں۔ ان میں حالات اور ماحول کی تبدیلیوں سے تغیر بھی ہوتا رہتا ہے۔ یہ قسم بے حد وسیع ہے اور ان ساری ضرورتوں کی تکمیل تقریباً محال ہے۔ ان کی حیثیت رنگین حسرتوں اور سنہرے خوابوں کی سی ہے۔ ہر انسان



ہمدرد دہلی میں حضرت خواجہ حسن نظامی کی ایک یادگار تصویر۔ دائیں طرف جناب حکیم عبدالحمید اور بائیں طرف سر محمد عثمان ہیں
چوہدری نبی بخش ڈپٹی کمشنر دہلی دائیں طرف آخر میں

اپنی بساط بھر کسب مال کی جدوجہد کرتا ہے' اور وہ اس راہ میں اپنے دشمنوں سے نیز مشکلات و موانع سے الجھتا رہتا ہے۔

قوتِ ارادی

میرے عظیم نونہالو! میں جناب حکیم عبدالحمید صاحب کے بارے میں بلا خوفِ تردید یہ کہتا ہوں کہ وہ بے انتہا مضبوط قوتِ ارادی کی حامل شخصیت ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ فکر و تدبر کی اعلا سطح پر جاکر حالات کا جائزہ لیتے ہیں اور بدرجہ کمال غور و فکر کے بعد جب ایک رائے قائم کرلیتے ہیں تو اسے اپنی قوتِ ارادی کے حوالے کردیتے ہیں۔ ان کے عمیق غور و فکر اور ان کی ارفع قوتِ ارادی نے ان سے ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دلائے ہیں کہ آج ہندستان کا ہر شخص ان کا احترام کرتا ہے اور ان کے عملِ صالح کا گواہ ہے۔

نیک مقاصد اور اچھی آرزوؤں کی تکمیل کا بہترین وسیلہ اپنی قوتِ ارادی ہے۔ ارادہ زبردست اخلاقی عامل اور محرک ہے۔ اس کا دخل زندگی کے ہر شعبے میں ہے۔ اسی قوت کے ذریعہ سے اپنی شخصیت اور زندگی کو گندگیوں سے بچایا جاسکتا ہے۔ خوش گوار زندگی کے لیے زبردست قوتِ ارادی کا ہونا بہت ضروری ہے' تا کہ انسان زندگی کی مشکلات اور موانع پر قابو پاسکے۔ اس کے حاصل کرنے کی کوشش اخلاقی برائیوں سے باز رکھتی ہے اور انسان میں تزلزل' فرار اور شکست خوردگی کے رجحانات پیدا نہیں ہونے دیتی۔

زندگی کا ہر معرکہ سر کرنے کے لیے ایک اور صرف ایک ہتھیار کی

ضرورت ہے اور وہ ہے ایسا ارادہ جو ناقابلِ تسخیر ہو۔ایسی تمنا جو ناقابلِ شکست ہو۔اسی کو اخلاقیات کی اصطلاح میں عزم و حوصلہ کہتے ہیں۔ جو شخص عزم و حوصلہ سے خالی ہے وہ اعلا اخلاقی صفات سے محروم ہے۔ اس کی ساری کوششیں پا بہ ہوا ہیں۔ میں نے اپنے اس مضمون کی ابتداء میں ناپولیوں کے حوالے سے ایک بات کہی ہے۔ مجھے یہاں ارشمیدس کی ایک بات یاد آتی ہے۔اس نے کہا تھا" مجھے فضا میں کھڑے ہونے کی جگہ دے دو' میں کرۂ ارضی کو اس کی جگہ سے ہٹادوں گا۔" یہ ہوتے ہیں عزم اور حوصلے کے تیور۔ آسمان و زمین سب کچھ اس کی زد میں!

خدمتِ خلق

اخلاقیات کی دنیا میں یہ اصطلاح بہت عام ہے' مگر اس کی تعبیر اور اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ کسی سے خندہ پیشانی سے مل لینا بھی خدمت خلق کے دائرے میں آتا ہے۔ اپنی اپنی صلاحیت اور اپنے اپنے امکانی حدود میں ایسے کام کرنا جس سے پوری نوع انسانی کو فائدہ پہنچے' خدمتِ خلق کے نام سے متعارف ہے۔اس میں علاج اور تیمارداری بھی ہے' عام حاجت روائی بھی' بلائے ناگہانی میں امداد بھی' اور مظلوموں کی دستگیری بھی۔ تعلیم' صحت' علاج' دل جوئی' راحت رسانی اور عام فلاح و بہبود کے سارے کاموں کو ہم خدمت خلق سے تعبیر کرسکتے ہیں اور جو شخص اپنے ملک سے محبت' اس کے عوام سے دوستی کا دعوا رکھتا ہے وہ یہ سارے کام قانون سے بلند ہو کر کرتا ہے۔

اس حقیقت سے کبھی صَرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا کہ معاشرے کا سب

سے بڑا مطالبہ ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے۔ بعض احکام ایسے ہیں جن کی پابندی کا تقاضا عقل، فطرت اور دین و مذہب تینوں کرتے ہیں تا کہ افقِ زندگی کی ہر طمانیت اور اعتماد کا آفتاب طلوع ہو سکے۔ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور معاشرے کے مطالبات سے مُنہ موڑ سکے، اور حکیم عبدالحمید بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں افراد کا باہمی ربط ایسے حقوق کا مسئلہ اٹھاتا ہے جو بالکل ضروری ہیں۔ سوسائٹی کو تصادم اور باہمی فساد سے بچانے کے لیے تعاون اور ایک دوسرے کی مدد بہت ضروری ہے۔

نونہالو! جناب حکیم عبدالحمید صاحب کی پوری زندگی خدمتِ خلق سے عبارت ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس میں وہ خدمتِ خلق کے خیال سے خالی ہوں۔ خدمتِ خلق ان کی زندگی کا حاصل ہے۔ یہ جذبہ وہ ورثے میں لے کر پیدا ہوئے تھے، اور خدمتِ خلق ان کی گھُٹّی میں شامل تھا۔ ہمارے والد محترم شہیدِ فن، ہمدردِ خلائق حکیم عبدالمجید اور ہماری والدہ معظّمہ محترمہ رابعہ ہندی صاحبہ نے ان کی تربیت کے ہر سامان میں خدمتِ خلق کو اولیت دی۔ خدمتِ خلق ایک اعلا صفت ہے اور اس وصفِ حیات کے لیے انسان سے محبت ضروری ہے۔ اس کے بغیر جذبۂ خدمت نہ جنم لے سکتا ہے، نہ نشوونما پا سکتا ہے۔ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو محبت تقاضائے فطرت ہے اس لیے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسانی جبلّت میں ایک ایسی مخفی قوت ہے، جو اس کو دوسرے انسانوں سے میل جول پر مجبور کرتی ہے۔ یہ میلان و تعلق خلافِ فطرت نہیں ہے، یقیناً اس کی تکمیل ہونی چاہیے۔ فرد کو اپنے

دوسرے افراد سے برادرانہ تعلق رکھنا چاہیے' تا کہ موانست اور الفت کے جذبات کے فیضان سے پوری سوسائٹی کو فائدہ پہنچ سکے۔ محبت ہی سکون و طمانیت کا حقیقی سرچشمہ ہے اور وہ ان روحانی لذتوں میں سے ہے جو وقت گزرنے سے اور زیادہ مستحکم ہوتی ہیں۔ اس مادّی دنیا میں اس سے زیادہ قیمتی شے کوئی اور نہیں۔ فلسفیانہ انداز سے اگر بات کریں تو باہمی روابط کو خوش گوار اور پائیدار و مستحکم بنانے کے لیے جن اخلاقی صفات کی ضرورت ہے ان میں خلوص اور انس سب سے زیادہ اہم ہیں۔ ہم جیسے نظر آتے ہیں' اگر حقیقتاً ایسے ہی ہوں تو یہ ہمارا خلوص ہے۔ ہم جو کچھ سوچتے ہوں' وہی بولتے ہوں' جس کو صحیح سمجھتے ہوں وہی کرتے ہوں تو ہمیں مخلص کہا جاسکتا ہے۔ خلوص دراصل انسانی روح کی ایک خارجی تصویر ہے۔

اچھے جذبات کے ساتھ تعلق کو محبت کہتے ہیں۔ محبت کی روحِ انس ہے جس میں ارادت سے زیادہ فطرت کو دخل ہوتا ہے۔ اس لیے فطری تعلق کو بہ الفاظ دیگر انس کہا جاتا ہے جس تعلق میں اجنبیت کا شائبہ نہ ہو اسے انس کہتے ہیں۔

میرے نونہالو! حکیم عبدالحمید اس میدان میں انتہائی خوش قسمت انسان ہیں کہ وہ خلوص و انس اور الفت و محبت کی بلند و ارفع صفات سے مالا مال ہیں اور اس ثروت و دولت نے ان کے لیے خدمت خلق کی راہوں کو ہموار کردیا ہے۔ وہ اب ۸۸ سال کے پیٹے میں ہیں' مگر وہ آج بھی اپنے عظیم مطب میں روزانہ سیکڑوں مریضوں کی خدمت کرتے ہیں اور ذرا تھکتے نہیں ہیں۔

چوتھا باب

تم کو کہاں محل چاہیے؟

نونہالو! ایک بار میں نے کہا: میں اب اس بے آرام گھر اور اس گندے گلی کوچے میں رہنے کو تیار نہیں ہوں۔ میرا یہاں دم گھٹتا ہے۔ کام کرنے کو میرا دل نہیں چاہتا۔ میں نے یہ بات بے اختیار کہہ دی۔ میری والدہ محترمہ نے مجھے بہت غور سے دیکھا۔ حیران بھی ہوئیں، مگر خاموش ہو گئیں۔۔ دوسری صبح جناب بھائی جان محترم نے پاس بٹھا کر پوچھا: تو کیا اب تم محل میں رہنا چاہتے ہو؟ کون سا محل پسند ہے تم کو؟ نئی دہلی میں؟ یا جنّت میں؟

نونہالو! نئی دہلی کی بات تو میری سمجھ میں آ گئی۔ وہاں تو کئی محل تھے۔ نظام حیدر آباد کا۔ مہاراجہ پٹیالے کا، وغیرہ۔ مگر یہ جنّت کا محل کیا ہوتا ہے میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ادب کے ساتھ میں نے پوچھا: بھائی جان! یہ جنّت میں محل کیا ہوتا ہے، کیسا ہوتا ہے؟ نہایت اختصار کے ساتھ، چند لفظوں میں انھوں نے فرمایا:

"جو لوگ نئی دہلی کے محلوں میں رہتے ہیں ان کو غریبوں کا حال معلوم

نہیں ہوتا۔ جو لوگ کوچۂ کاشغری میں رہتے ہیں ان کو غریبوں کے دُکھ کا پتہ ہوتا ہے، اس لیے کہ ان کا ماحول غریبوں کا ہے۔ جو لوگ ان غریبوں کی خدمت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جب وہ مرنے کے بعد اس کے پاس جاتے ہیں تو جنّت میں محل دے دیتا ہے اور وہ وہاں نہایت آرام سے رہتے ہیں۔ اب تم فیصلہ کرلو کہ تم کو کہاں محل چاہیے!"

نونہالو! میں نے غریبوں کے درمیان رہنے کا فیصلہ کرلیا اور اس کے بعد میں نے بڑے مکان کی کبھی خواہش نہیں کی۔ میرے کوچۂ کاشغری کا ہر غریب مجھ سے خوش تھا۔ مجھ سے محبّت کرتا تھا۔ میں ان کے درمیان رہتا تھا۔ زیادہ تر ہندو تھے۔ ان کے بچوں سے میرا میل ملاپ زیادہ رہتا تھا۔ یہ تربیت کا ایک عنوان تھا!

خلیفہ ہارون الرّشید کا محل!

نونہالو! اس وقت ایک نہایت دل چسپ واقعہ یاد آگیا۔ ایک بزرگ کی کرامت یاد آگئی۔ ایک اللہ والے کی حکایت ذہن میں آگئی ہے۔ آؤ تم کو سناتا ہوں:

اپنی ملکہ زبیدہ کے ساتھ ہارون الرشید سیر کو نکلے۔ دیکھا راہ میں حضرت بہلول تشریف فرما ہیں اور آس پاس کی ریت جمع کر کے گھروندا بنا رہے ہیں۔ خلیفہ ہارون الرشید حیران ہوئے۔ پوچھا:

یا حضرت! آپ یہ کیا بنا رہے ہیں؟

حضرت بہلول نے فرمایا: جنّت کے محل تعمیر کر رہا ہوں!

ملکہ زبیدہ آگے بڑھیں۔ پوچھا: ایک محل کی قیمت کیا ہے؟

حضرت بہلول نے فرمایا : پچاس ہزار دینار! ملکہ نے دینار دیے اور گھروندا خرید لیا۔

ہارون الرشید کو ملکہ زبیدہ کی یہ خریداری پسند نہیں آئی۔ کہا اتنی عمولی چیز کے پچاس ہزار دینار دینا عقل مندی نہیں۔

نونہالو! بات ختم ہوگئی۔ شاید اسی رات خلیفہ ہارون الرشید نے خود کو جنت کے باغوں میں سیر کرتے دیکھا۔ دل خوش ہوگیا۔ آگے بڑھے تو ایک محل نظر آیا۔ پوچھا : اس محل میں کون رہتا ہے؟ جواب ملا : ملکہ زبیدہ کا محل ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے محل میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ ان کو روک دیا گیا۔ روک ٹوک سے خلیفہ ہارون الرشید کی آنکھ کھل گئی۔ حیران ہوئے اور پریشان بھی بلکہ پشیمان بھی۔

نونہالو! دوسری صبح ہارون الرشید پھر سیر کو نکلے۔ ملکہ عالیہ زبیدہ ہمراہ تھیں۔ دیکھا کہ حضرت بہلول وہی گھروندے بنا رہے ہیں۔ آگے بڑھے۔ پوچھا : یا حضرت ایک محل کتنے ہزار کا ہے؟ جواب ملا : دولاکھ دینار کا ہے۔ہارون الرشید نے فرمایا : کل تو اس کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی۔ آج دولاکھ کیسے ہوگئی؟

نونہالو! حضرت بہلول نے فرمایا: ملکہ عالیہ نے محل دیکھے بغیر سودا کیا تھا، اور آپ محل دیکھ کر سودا کر رہے ہیں!

سچ۔صدق۔صداقت۔ سچائی

نونہالو! میرے بھائی جان محترم ہر طرح صادق تھے۔ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ انھوں نے شاید پوری زندگی جھوٹ نہیں بولا۔ کم از کم مجھے یاد نہیں

ہے کہ ان کی کوئی بات جھوٹ ہو۔ ان میں سچ کو سچ کہنے کی جرات تھی۔ ان
ایمان آج بھی پختہ ہے۔ وہ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ جھوٹ سے ان کو نفرت
ہے۔ دروغِ مصلحت آمیز سے بھی ان کو فرار ہے۔ ان کی زندگی صدق و صفا
ی زندگی ہے۔ ان کی گفت گو میں، ان کی تحریر میں ہمیشہ صداقت اور سچائی
تی تھی۔

میں اپنی ڈائری لکھتا تھا۔ میں نے اس ڈائری میں کبھی جھوٹ نہیں
ھا۔ اگر میں نے کوئی غلط بات کی ہوتو تو میں اپنی ڈائری میں اسے سچ سچ لکھ
ا تھا۔ جب اس ڈائری کو بھائی جان دیکھتے تو اس پر حاشیہ ضرور تحریر
اتے۔ داد دیتے۔ لکھتے : یہ جرات مندی ہے کہ انسان غلطی کا اعتراف
رے، اپنا قصور مان لے۔ یہ بزدلی ہے کہ غلطی اور قصور کو جھوٹ کی چادر
ں چھپایا جائے۔

یم لقمان

نونہالو! حضرت لقمان بڑے انسان تھے۔ قرآنِ حکیم میں ان کا ذکر خیر
ے۔ ایک دن وہ شاگردوں کے درمیان بیٹھے درس دے رہے تھے۔ دوست
ں تھے۔ بزرگ بھی تھے۔ درس کے لیے دور دور سے لوگ آیا کرتے
ے۔ ایک دن کیا ہوا کہ ایک اجنبی کھڑا ہوا۔ غور کرتا رہا۔ سوچتا رہا۔ پھر اس
ے پوچھا:

"تم وہی ہونا جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے؟"

حضرت لقمان نے جواب دیا : ہاں، میں وہی ہوں۔

نونہالو! وہ شخص حیران ہوا۔ اس نے پوچھا : یہاں یہ مرتبہ و مقام

آپ کو کیسے حاصل ہوا؟ حضرت لقمان نے جواب دیا: صرف دو باتوں سے : ایک سچ بولنا۔ دوسرے بغیر ضرورت بات نہ کرنا!

ایک چڑیا کا شکار

نونہالو! میرے پاس ایک ائرگن تھی۔ میں اس سے نشانے کی مشق کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ میں بہت مشّاق ہوگیا۔ کوئی نشانہ خطا نہ ہوتا۔ گھر میں ایک گھونس نے تنگ کیا ہوا تھا۔ میں نے ایک شب اس گھونس کا انتظار کیا۔ جیسے ہی اس نے نالی سے اپنا سر باہر نکالا میں نے اپنی ائرگن سے اس کے سر کا نشانہ لیا اور بندوق چلادی۔ نشانہ ٹھیک لگا کہ بلبلاکر گھونس باہر آگئی۔ میں نے دو نشانے اور مارے۔ گھونس سے گھر کو نجات مل گئی۔ مجھے داد بھی ملی۔

ایک دن کیا ہوا کہ دُور ایک چڑیا بیٹھی تھی۔ میں نے اس کے پیٹ کا نشانہ لیا اور بندوق چلادی۔ نشانہ ٹھیک لگا۔ چڑیا نیچے صحن میں آگری۔ ذرا پھڑ پھڑائی بھی نہیں۔ مگر میری والدہ محترمہ کا دل پھڑ پھڑا گیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ انھوں نے چڑیا کو ہاتھ میں لے کر پیار کیا۔ بات ختم نہیں ہوئی۔ بھائی جان محترم تک پہنچ گئی۔ انھوں نے اس ظلم کا پورا نوٹس لیا۔ میری طلبی ہوئی۔ سوالات کی بوچھاڑ ہوگئی۔ تم کو یہ ائرگن اس لیے دی ہے کہ نقصان پہنچانے والی چیزوں کو ختم کرو۔ شیر کے شکار کی تیاری کرو۔ اس ننھی چڑیا نے تمھارا کیا بگاڑا تھا؟

نونہالو! میں لاجواب ہوگیا۔ اب میں نے غور کیا۔ واقعی میں نے بہت بڑا ظلم کیا تھا۔ میرا دل اب بے حد دُکھا۔ میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بھائی جان نے نصیحت کی کہ جانوروں پر رحم کرنا چاہیے۔ جانوروں سے محبّت

کرنی چاہیے۔ پرندوں سے عشق کرنا چاہیے۔ ذرا غور کرو کہ اگر اس چڑیا کے بچے ہوئے تو وہ دانہ دُنکا کہاں سے کھائیں گے! وہ اپنی ماں کا انتظار کرتے کرتے بھوکے مر جائیں گے۔ اس کا گناہ شدید ہوگا۔

نونہالو! وہ دن ہے آج کا دن، میں نے کسی جانور کو تکلیف نہیں پہنچائی۔ جانوروں سے میری محبت کا حال پھر یہ ہوا کہ کبوتر میں نے پالے۔ بلبل میں نے سدھائے۔ سفید چوہے میں نے پالے۔ خرگوش میں نے رکھے۔ طوطے میں نے پالے، مگر طوطوں سے محبت زیادہ نہیں تھی۔ ان کو پنجرے میں رکھنا مجھے گوارا نہ تھا۔ میں نے ایک دن سب کو اڑا دیا! ہرن بھی پالا۔ مرغ مرغیاں بھی پالیں۔ جانوروں سے میری محبت انتہاؤں کو پہنچ گئی۔

ایک واقعہ یاد آگیا

مصر کے گورنر عمرو بن العاص کو جب اسکندریہ کی فتح کی خبر ملی تو انھوں نے وہاں کوچ کرنے کی تیاری کی۔ خیمے اکھاڑنے کا حکم دیا۔ اچانک ان کی نگاہ پڑی : ایک خیمے میں ایک کبوتر کا گھونسلا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص نے حکم دیا : یہ خیمہ نہ گرایا جائے۔ اسے ایسے ہی چھوڑ دیں۔ میں کبوتر کو بے گھر نہیں کر سکتا۔

نونہالو! جب مہم سے حضرت عمرو بن العاص واپس آئے تو اسی خیمے کی جگہ ایک شہر آباد کر دیا۔ اس شہر کا نام فسطاط رکھا گیا۔ عربی زبان میں کبوتر کو فسطاط کہتے ہیں!

صبر و قناعت

بائیرن نے کہا تھا کہ جو کچھ حاصل ہے، اسے کم نہ سمجھنا، اور کلفتوں

کے باوجود زندگی سے مصالحانہ رویّہ رکھنا صبرو قناعت ہے۔ ہر اُمید بر آسکتی ہے اور ہر تمنّا پوری ہو سکتی ہے' صرف تھوڑے سے انتظار کی ضرورت ہے۔ تاخیر کو انکار سمجھنا دانشمندی نہیں ہے۔ صبر ایک شریفانہ رویّہ ہے' دنیا کے عظیم انسانوں نے ہمیشہ تکلیف و مصیبت کی زندگی گزاری ہے' مگر ان کی عظمت ان کے صبرو قناعت کی ممنون ہے۔ روحانی طمانیت کا اس سے بہتر کوئی دوسرا وسیلہ نہیں۔

علمائے حق نے کہا ہے کہ انسانی سعادت کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب وہ افراط و تفریط سے بچتا ہو' اور خواہشات نفس کا غلام نہ ہو۔ انسان کو اپنے جذبات کی تربیت اچھے اخلاق اور اچھی عادات کے آغوش میں کرنی چاہیے اور عقل و ہوش سے کام لے کر اعتدال و توازن پیدا کرنا چاہیے۔ عقل انسان کی رہبری کرتی ہے' جذبات و خواہشات نہیں! عقل ہی جذبات کو حدِ اعتدال پر لاتی ہے' اور ان کو غلط راہ پر لگنے سے بچاتی ہے۔ انسانی زندگی میں عقل کا سب سے بڑا فیضان یہی ہے کہ ہمیں وہ ایسی بصیرت عطا کرتی ہے جس کی بنا پر ہم اچھے اور بُرے میں فرق کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور جذبات و خواہشات کی رو میں بہہ کر تباہی و بربادی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں۔

نونہالو! علامہ ابن جوزیؒ نے فرمایا : عقل دراصل ایک شمع ہے جو انسان کی زندگی کے راستوں کو روشن کرتی ہے۔ اگر انسان عقل سے کام نہ لے تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شمع بجھا دے اور تاریکی میں چلنے لگے!

تعلیماتِ قرآن اور ہدایتِ رسول صبرو قناعت کے باب میں ایسی

واضح اور صریح رہنمائی کی حامل ہیں کہ صبرو قناعت اسلام کی عظمتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ شاید دنیا کا کوئی مذہب اس شدّت کے ساتھ صبرو قناعت پر زور نہیں دیتا، جس قدر اسلام اور تعلیماتِ اسلام۔

نونہالو! اس روشنی میں حکیم عبدالحمید کی پوری زندگی دیکھتا ہوں تو اسے صبرو قناعت کی رفعتوں پر پاتا ہوں۔ ساری زندگی وہ زمین پر سوئے ہیں یا تخت پر چٹائی پھیلا کر آرام کی نیند ان کو میسّر رہی ہے۔ غذا کے معاملے میں ان کا اپنا کوئی مزاج نہیں ہے، جو گھر میں پک گیا، پورے اطمینان سے کھالیا۔ وہ پوری زندگی ایک ناشتے اور ایک کھانے کو اہمیت دیتے رہے ہیں۔ ان کا لباس ہمیشہ سادہ رہا۔ وہ اپنی ذاتی ضرورت کے لیے کسی کو تکلیف نہیں دیتے۔ اپنے کام خود کرنے کے ہمیشہ سے عادی ہیں۔ ان کی زندگی عظیم الشان تعمیری پیش رفتوں سے عبارت ہے۔ ان کے فکرو نظر کی وسعتوں نے عظیم اداروں کو جنم دیا ہے اور سرزمینِ ہند پر انمٹ نقوش انھوں نے قائم کیے ہیں۔ مگر میں اس کا انکشاف کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنی عظمتوں کے یہ سارے چراغ اپنے ان زاویہ ہائے علمی میں بیٹھ کر روشن کیے ہیں جہاں آسائش زندگی کا کوئی سامان نہیں تھا، اور نہ آج ہے۔ ٹوٹی ہوئی کرسی میز پر بیٹھ کر انھوں نے ہمدرد کی بلندیوں کا سامان کیا ہے اور خدمتِ خلق کے متعدد اداروں کو وجود بخشا ہے۔ ہمدرد نگر میں آج بھی وہ جس کمرے میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں اس میں ایک چھوٹی سی میز اور جھلندری کرسی ہے، اس کمرے میں نہ دری چاندنی ہے نہ قالین۔ نہ ایرکنڈیشنر لگا ہے اور نہ ہیٹر ہے۔ گزشتہ سردیوں میں دلی گیا اور ان کے زاویہ میں گیا تو ایک پرانا ٹیبل لیمپ ان کے پیروں کے قریب

رکھا تھا۔ اس کی گرمی سے وہ دلی کی سردی میں اپنے پیروں کو گرمی پہنچا رہے تھے۔

نونہالو! حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے کیا خوب فرمایا :

"—— میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے دنیا چاہی ہو اور اسے آخرت ملی ہو۔ اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا بھی مل جاتی ہے ——"

واقعہ یہ ہے کہ صبر و قناعت کے جو نمونے حکیم عبدالحمید نے دکھائے ہیں اور فکر و عمل کی جو مثالیں انھوں نے قائم کی ہیں اور سادگی کی جو روایات قائم کی ہیں، اس معیار پر بڑے بڑے عظیم انسان بھی پورے نہیں اتر سکتے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

نونہالو! دنیائے اسلام کی ایک بلند قامت شخصیت کا نام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ ایک نہایت عظیم تاجر بھی تھے۔ ایک دن کیا ہوا کہ بھری محفل تھی۔ بڑے بڑے علما اور بڑے بڑے صوفی، درویش اور بزرگ جمع تھے۔ باہم گفت گو جاری تھی۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ اچانک حضرت جیلانی کا ایک کارکن آیا اور اس نے نہایت پریشانی کے عالم میں اطلاع دی :

حضرت محترم! تجارتی سامان جن جہازوں میں آرہا تھا وہ ڈوب گئے ہیں اور ہمارا تمام سامان سمندر میں بہہ گیا ہے۔

نونہالو! حضرت محترم نے ذرا سوچا۔ پھر فرمایا : الحمدللہ۔

ابھی گھنٹہ بھر ہی گزرا تھا کہ وہی کارکن دوڑا دوڑا آیا۔ اس بار وہ

خوش تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ حضرت! جہاز ڈوبنے کی خبر غلط نکلی۔ ہمارا سارا مال محفوظ ہے۔

نونہالو! حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا : الحمدللہ۔

ایک شیخ کبیر سے رہا نہ گیا۔ بے چین ہو کر فرمایا : حضرت! یہ کیا ماجرا ہے؟ مال ڈوبا تو الحمدللہ۔ مال بچ گیا تو الحمدللہ۔ آخر یہ کیا ہے!

نونہالو! حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا :

"۔۔۔۔۔جب مال ڈوبا۔ میں نے دل کو ٹٹولا۔ اس میں کوئی غم نہ تھا۔ میں نے کہا : الحمدللہ اور جب مال بچ جانے کی خبر ملی تو میں نے پھر اپنے دل کی کیفیت دیکھی۔ کوئی خوشی وہاں نہ تھی۔ میں نے کہا الحمدللہ!۔۔۔۔"

نونہالو! صبرِ قناعت کا یہ سب سے بڑا معیار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بڑے بھائی جان محترم میں یہ وصف ہے۔ ہمارا گھر برس ہا برس حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے احترام میں گیارھویں شریف کا مرکز رہا ہے۔ ہماری والدہ محترم ہر سال گیارھویں شریف کا اہتمام فرماتی تھیں۔ تیس پینتیس بکرے ذبح ہوتے تھے۔ صبح آٹھ بجے سے رات کے ۸ بجے تک کھانا پکتا رہتا تھا اور شہر کے ہزارہا غریب غربا آتے تھے اور کھانا کھاتے تھے اور لے جاتے تھے۔ کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ یہ وہ دور تھا کہ غریب اور فقیر قناعت کرنا جانتے تھے!

نونہالو! جناب محترم حکیم عبدالحمید کا اندازِ فکر و عمل وہی رہا ہے اور آج بھی ہے کہ جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا رہا تھا۔ شوقِ دولت اور غمِ دولت سے قطعی بے نیاز۔ اپنی محنتوں سے جو کمایا اللہ کی راہ میں خرچ

کردیا۔ خود خالی ہاتھ رہے اور خالی جیب۔ ان کے سکون کا سامان اسی میں تھا اور آج بھی ہے۔

نونہالو! اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس اگر شام کو چند ریال رہ جاتے تو بے قرار رہتے، نیند نہ آتی۔ خیال فرماتے تھے کہ رات اگر روح پرواز کرگئی تو یہ ریال حق داروں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

ہم ان ہی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے امتی ہیں۔ ہم کو بھی دولت کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہیے۔ ان باتوں پر پاکستان کے دولت مند غور کریں۔ ایسے دولت مند جو دولت جمع کرنے کے شوق میں اپنی جسمانی اور روحانی قوتیں ضائع کرتے ہیں اور ایسے دولت مند جو اپنی دولت کی حفاظت میں دنیا کے بنکوں میں اسے جمع کرواتے ہیں اور ایسے دولت مند جو دولت کے غم میں طرح طرح کے امراض میں مبتلا رہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی دولت کو اچھے اور خیر کے کاموں میں لگادیں تو پھر ان کی روح کو چین نصیب ہوگا اور پھر وہ ایسے کام کریں گے جن سے پاکستان کا بھلا ہوگا۔ پاکستان کو قرضوں سے نجات ملے گی اور غریب فاقوں سے بچ جائے گا اور نونہال تعلیم سے محروم نہیں رہیں گے۔

نونہالو! حضرت محترم امام غزالیؒ کی زبان میں ان پاکستان کے دولت مندوں سے میں کہتا ہوں کہ دیکھ تو اپنے اوقات ضائع نہ کر۔ تیرے پاس گنے چنے چند سانس ہیں۔ اگر تیرا ایک سانس بھی رائیگاں چلا گیا تو گویا تیرے سرمائے کا ایک حصّہ ضائع ہوگیا۔ بس تو غنیمت جان۔

صحت کو مرض سے پہلے۔

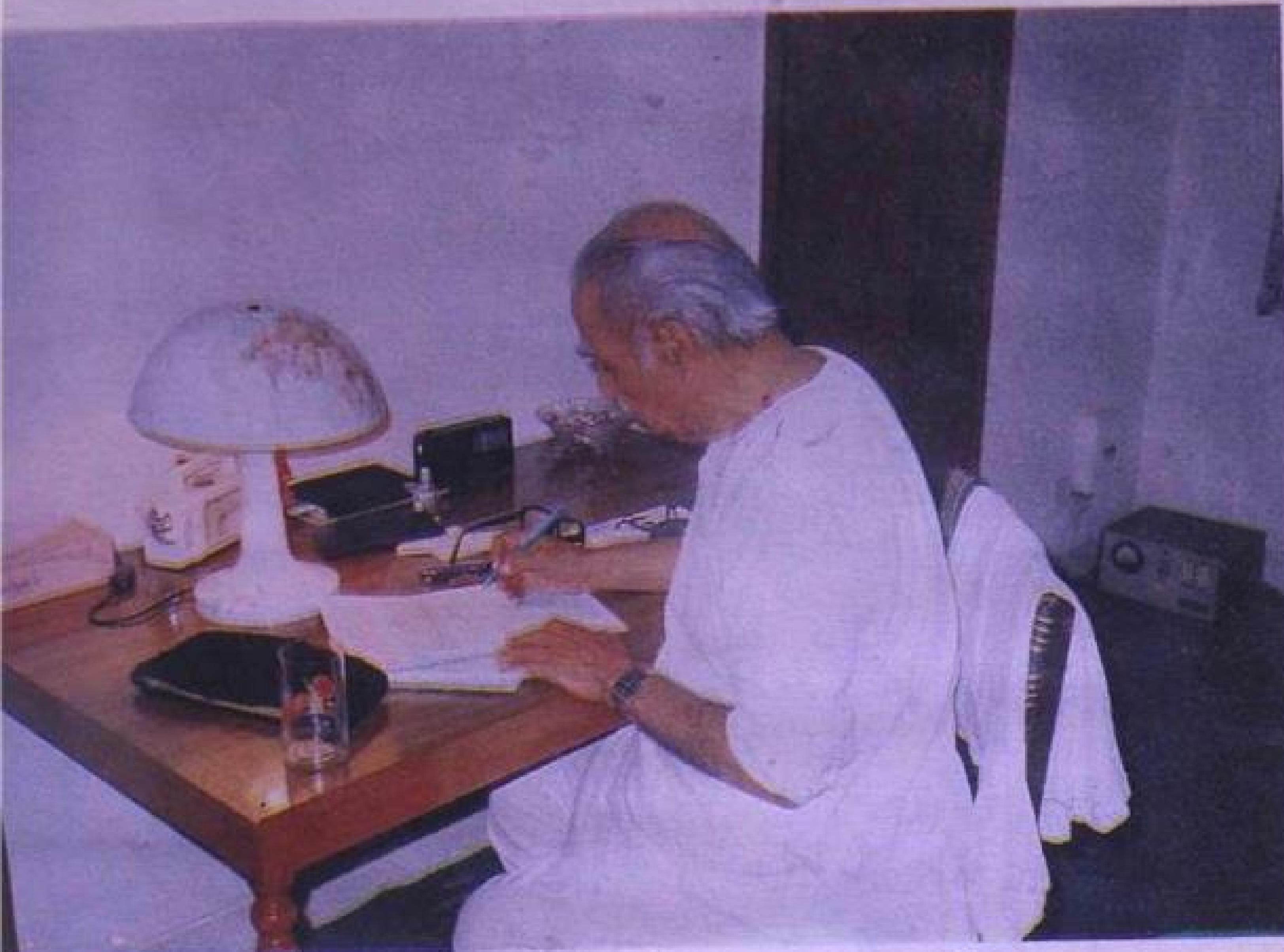
فراغت کو مصروفیت سے پہلے۔
دولت کو غربت سے پہلے۔
شباب کو بڑھاپے سے پہلے۔
زندگی کو موت سے پہلے۔
اور آخرت کے لیے اسی لحاظ سے تیاری کر جتنا تجھے وہاں رہنا ہے۔

ہمدرد نگر میں!

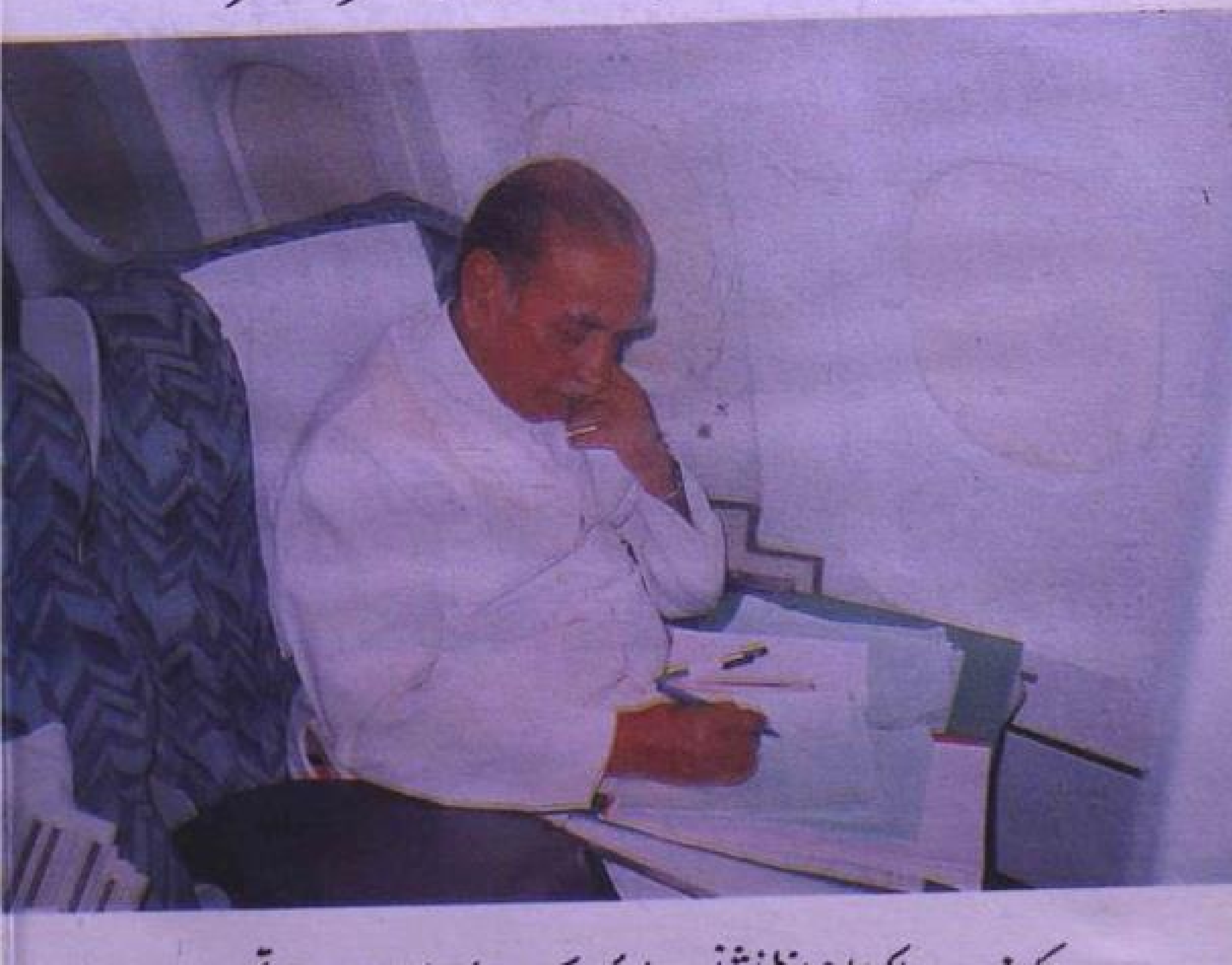
نونہالو! میں ان دنوں دہلی میں ہوں۔ ہمدرد نگر میں ہوں۔ ایک وقت تھا کہ یہ زمین بنجر تھی۔ ماحول اوجڑ تھا۔ آج اسی زمین پر ہمدرد نگر ہے۔ اس ہمدرد نگر میں ایک "تعلیم آباد" ہے جہاں ہزاروں نونہال ہمدرد پبلک اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں۔ یہاں آج ہمدرد نگر میں ہمدرد یونی ورسٹی ہے جہاں ہزار طلبہ تعلیم پا رہے ہیں۔ یہاں دہلی کا نہایت شان دار کانفرنس سنٹر ہے جہاں بڑی بڑی کانفرنسیں ہوتی ہیں۔ یہاں اسکالرز ہاؤس ہے جہاں سیکڑوں اہلِ علم قیام کرتے ہیں۔ یہاں ہمدرد طبّی کالج ہے جہاں طب کی اعلا تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ یہاں مجیدیہ ہسپتال ہے۔ یہاں نرسنگ کالج ہے۔ غرض یہاں کیا نہیں ہے۔

یہ سب حکیم عبدالحمید صاحب کے فکروعمل کی بہار ہے۔ وہ انسان جو پیوند لگے کپڑے پہنتا ہے، ایک وقت زندہ رہنے کے لیے کھاتا ہے، اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے زندہ رہتا ہے، اس نے علم و حکمت کا یہ نہایت بزرگ اور شاندار مرکز تعمیر کر کے قوم کے حوالے کر دیا ہے۔

نونہالو! یہ سب دولت سے بے نیازی کا کرشمہ ہے۔ یہ کرشمہ اس کا



حکیم محمد سعید۔ ہمدرد ہاؤس، نئی دہلی میں مصروف تحریر



حکیم محمد سعید پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کے ہوائی جہاز میں مصروف تحریر

سابق وائس چانسلر جواہر لال نہرو یونیورسٹی



عالی جناب علاؤ الدین وائس چانسلر ہمدرد یونیورسٹی ڈاکٹر حسین ناگامیا صدر انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ اوف
اسلامک میڈیسن، امریکا حکیم عبدالحمید۔ چانسلر ہمدرد یونیورسٹی انڈیا، حکیم محمد سعید چانسلر ہمدرد یونیورسٹی پاکستان



عشائیہ وائس چانسلر ہمدرد یونیورسٹی، انڈیا ۔ بہ احترام حکیم محمد سعید
عزیزہ مسعودہ معید، محترمہ بیگم اوصاف علی، محترمہ بیگم عصمت حمید اللہ بھٹ

نعیم آباد۔ ہمدرد نگر میں ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کی ایک میٹنگ



صدارت: جناب بدرالدین طیّب جی (بائیں) سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، حکیم عبدالحمید
چانسلر ہمدرد یونیورسٹی انڈیا، جناب سید حامد (سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)



میاں عبدالمعید۔ حکیم محمد سعید



عالی جناب پروفیسر رشید الدین - حکیم محمد سعید - عالی جناب خواجہ حسن ثانی نظامی



ب شہاب الدین سابق رکن لوک سبھا - عالی جناب پروفیسر رشید الدین عالی جناب ڈاکٹر محمد شفیع اگوانی
سابق وائس چانسلر جواہر لال نہرو یونیورسٹی

ہے کہ انسان اپنے لیے نہیں دوسروں کی خدمت کے لیے زندہ رہے اور زندگی کا ایک لمحہ خدمت کے بغیر نہ رہے!

نونہالو! میں ایسے عظیم بھائی جان محترم کا تربیت یافتہ ہوں۔ اسی لیے آج پاکستان میں مدینتہ الحکمہ موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔

حکیم عبد الحمید ـــ ایک طبیب

نونہالو! عربی زبان میں ایک قول ہے: **افضل الاشغال خدمتہ الناس۔** مطلب ہوا انسانی کاموں میں نہایت برتر اور افضل کام انسان کی خدمت ہے اور نونہالو! ان خدمتوں میں بہتر اور افضل خدمت مریض کو مرض سے نجات دلانا ہے اور اسے صحت دینا ہے۔ یہ خدمت ایک طبیب، حکیم یا معالج کرتا ہے۔ جناب حکیم عبد الحمید برصغیر کے آج سب سے بڑے حکیم ہیں، سب سے بڑے طبیب ہیں، انسان کے سچے اور اچھے خادم ہیں۔ انھوں نے ۱۹۲۷ء میں مریضوں کی خدمت شروع کی تھی۔ ایک طبیب اور ماہر طب کی حیثیت سے مریضوں کو امراض سے نجات دلانے کا فرض ادا کرنا شروع کیا تھا۔ انسان کی صحت کے لیے محنت کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اب ۱۹۹۵ء ہے۔ اڑسٹھ سال ہوگئے ہیں۔ اب تک اندازہ یہ ہے کہ جناب حکیم عبد الحمید کوئی پچھتر لاکھ مریضوں کی خدمت کر چکے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ۸۸ سال کے لگ بھگ ہے۔ وہ آج بھی ہفتے میں دو تین دن مریضوں کی خدمت کرتے ہیں۔

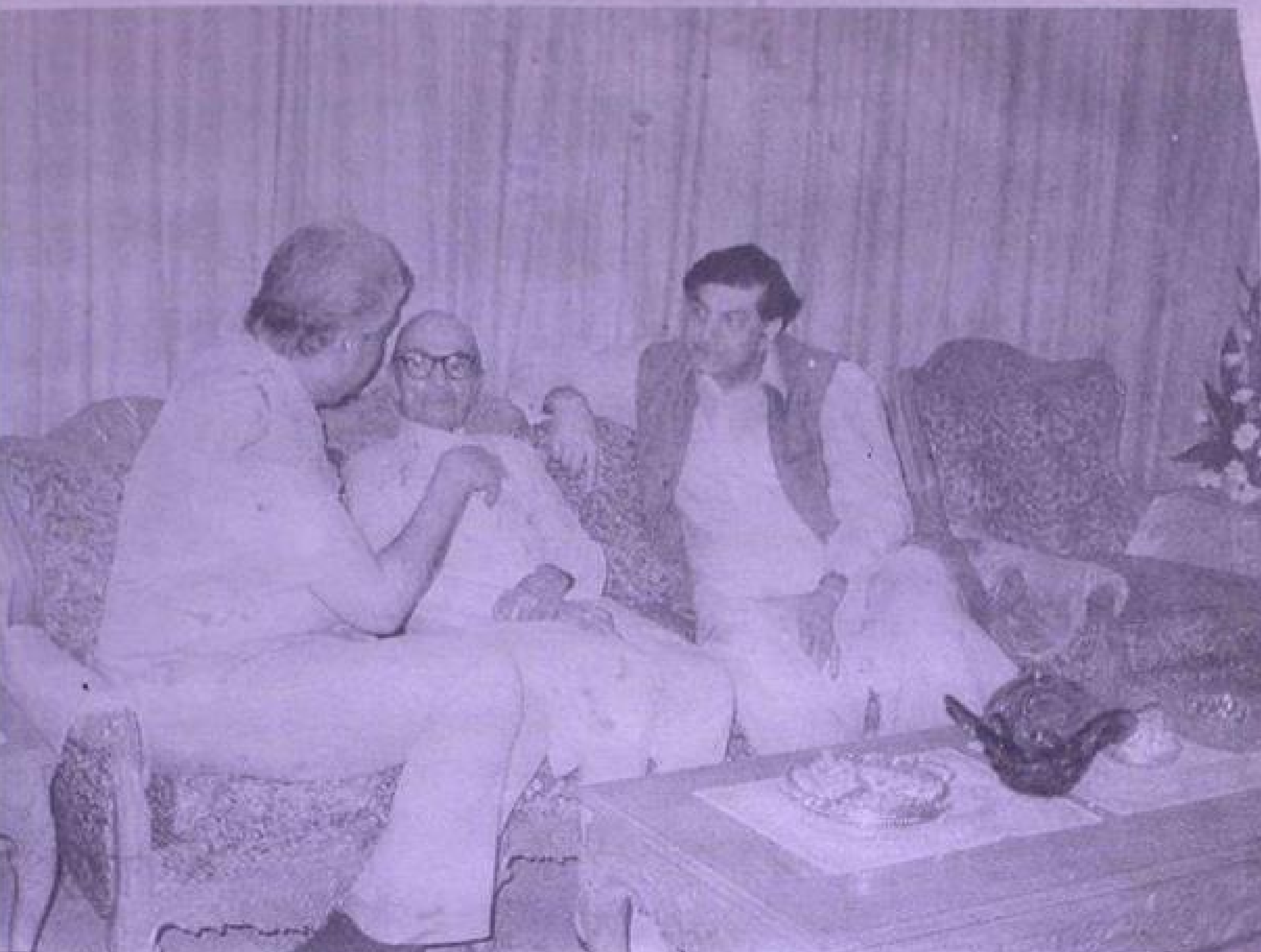
نونہالو! ذرا تم غور کرو! پچھتر لاکھ انسانوں سے ملنا، ان کا دکھ سننا، ان کے مرض کو سمجھنا اور پھر ان کا علاج کرنا یقیناً یہ نہایت مشکل کام ہے! مگر





بہ احترام حکیم محمد سعید اجتماع نونہالان ہمدرد نگمر زیر اہتمام محترمہ سلمیٰ حسین

۱۹۹۵ عشائیہ ہمدرد ہاؤس - نئی دہلی



ب ریاض حسین کھوکھر ہائی کمشنر پاکستان، محترم عبدالحمید، جناب جسٹس سردار علی خاں، چیئرمین اقلیت کمیشن انڈیا



حکیم محمد سعید، جناب جسٹس سردار علی خاں، چیئرمین اقلیت کمیشن، انڈیا

خدمت خلق کی یہ ایک نہایت اعلا مثال ہے۔ برصغیر میں اس خدمت کی دوسری کوئی مثال موجود نہیں ہے۔

نونہالو! اس خدمت کا ایک بلند مرتبہ اور اونچا مقام یہ ہے کہ ان پچھتر لاکھ مریضوں سے جناب حکیم عبدالحمید نے خدمت اور فیس کا ایک پیسہ نہیں لیا! اپنی جان کھپائی، مریضوں کی شفا اور صحت کا سامان کیا۔ مفت کیا!

نونہالو! عالی مرتبت حکیم حافظ محمد اجمل خان برصغیر کے اپنے وقت میں سب سے بڑے طبیب تھے۔ ۱۹۲۷ میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ بھی مریضوں سے مطب میں کوئی فیس نہیں لیتے تھے، مگر جب ریاستوں کے نوابوں، راجوں، مہاراجوں کا علاج کرنے جاتے تھے تو ایک ہزار روپے یومیہ فیس لیا کرتے تھے۔ جناب حکیم عبدالحمید صاحب نے ایسا بھی نہیں کیا۔ ابھی چند ماہ ہوئے وہ ایران تشریف لے گئے تھے۔ وہاں حکومت ایران کے سربراہوں کا علاج کیا۔ ایک پیسہ نہیں لیا۔

نونہالو! میں نے تم سے اس دنیا کے ایک بڑے انسان کا تعارف کرایا ہے۔ ان کی زندگی کا یہ پہلو، یعنی مریضوں کی خدمت، ان کے ہر کام پر بھاری ہے۔ وزنی ہے، اڑسٹھ سال سے خدمت کا یہ سلسلہ نہایت محنت، نہایت محبت اور نہایت شفقت سے جاری ہے!

نونہالو! اب تم میرے بڑے بھائی جناب حکیم عبدالحمید کے لیے دعا کرنا اور ان کی زندگی سے سبق حاصل کرنا، میں نے بھی ان کی ہی زندگی سے سبق حاصل کیا اور میں ایک اچھا انسان بن گیا اللہ کرے تم بھی اچھے اور بڑے انسان بنو! میری یہی دعا ہے۔

مجلسِ ادارت

حکیم محمد سعید

مسعود احمد برکاتی ـــــ رفیع الزماں زبیری

ناشر : ہمدرد فاؤنڈیشن پریس

طابع : سٹیرن گرافکس

اشاعت : ۱۹۹۵ء

تعداد اشاعت : ۲۰۰۰

قیمت : ۴۰ / رُپے

نونہال ادب کی کتابیں "نہ نفع ، نہ نقصان" کی بنیاد پر شائع کی جاتی

جملہ حقوق محفوظ

نونہال ادب

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی